ماہنامہ

میثاق

لاہور

مدیر مسئول : ڈاکٹر اسرار احمد

مرکزی مکتبہ تنظیم اسلامی

۳۶-کے، ماڈل ٹاؤن، لاہور

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

رلیفریجریٹرز، ایئرکنڈیشنرز اور فریزرز میں سب سے بہتر

سانیو

SANYO

خریدیئے

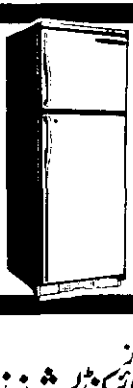

نوفراسٹ ریفریجریٹرز

اب پاکستان میں تیار/اسمبل کئے جاتے ہیں
۱۰ مختلف سائزیں۔ دلکش رنگوں میں حفاظتی
تالے کے ساتھ۔ اشیاء کے ذخیرہ کرنے کی زیادہ گنجائش۔
بازار جانے کی کم زحمت۔ مکمل کارکردگی۔ آزمودہ ریفریجریٹرز
بڑے قد و قامت کے ۳ دروازے والے فیملی ماڈلز سے لیکر
مجرد اشخاص کے لئے چھوٹے ماڈلز تک دستیاب

بے آواز
رُوم ایئرکنڈیشنرز

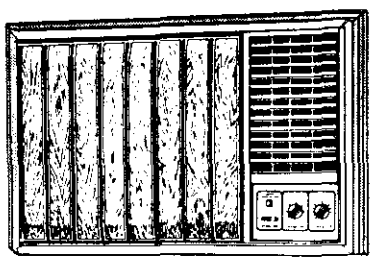

گرمیوں میں سرد، سردیوں میں گرم ہوا
گنجائش ۱½ ٹن (۱۸,۰۰۰ بی ٹی یو/ایچ)
پاکستان میں تیار/اسمبل کردہ
ٹھنڈا کرنے کی زیادہ صلاحیت بجلی کا کم خرچ
بہتر کارکردگی کیلئے آٹو ڈفلیکٹر سے آراستہ
براؤن ٹیک میں فنش کی ہوئی جالی۔

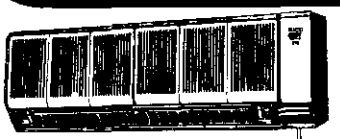

اسپلٹ ٹائپ ایئرکنڈیشنرز

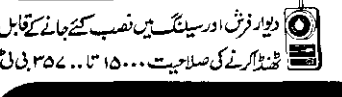

نیا روٹری کمپریسر آواز، ارتعاش اور بجلی کا خرچ کم کرنے کیلئے۔
دیوار پر نصب کیا جانیوالا ڈیزائن کمرہ میں قابلِ استعمال جگہ بچاتا ہے
۱۲ گھنٹہ کا وقتی سوئچ۔
آئی سی تھرموسٹیٹ صحیح ٹمپریچر برقرار رکھنے کے لئے
۳-اسپیڈ فین آپریشن سلیکٹر

دیوار فرش اور سیلنگ میں نصب کئے جانے کے قابل
ٹھنڈا کرنے کی صلاحیت ۱۵۰۰۰ تا ۳۵۷۰۰ بی ٹی یو

کرم فرما خصوصی توجہ فرمائیں:
متذکرہ مصنوعات خریدتے وقت ورلڈ وائیڈ کمپنی کی جاری کردہ پانچ سالہ گارنٹی ضرور حاصل کریں تاکہ سروس بعد از فروخت کی مفت سہولت سے فائدہ اٹھایا جاسکے۔

پاکستان میں سانیو کی تمام مصنوعات کے سول ایجنٹس

ورلڈ وائیڈ ٹریڈنگ کمپنی

سانیو سینٹر شوروم اور سروس سینٹر۔ گارڈن روڈ۔ صدر کراچی
فون: ۷۷۲۶۴ - ۷۴۷۴۹ - ۷۴۷۰۰
پاکستان: کیبل "WORLDBEST" ٹیلکس 25109 WWTCO PK

786/WW-67/82

وَاذْكُرُوا نِعْمَةَ اللّٰهِ عَلَيْكُمْ وَمِيثَاقَهُ الَّذِي وَاثَقَكُمْ بِهِ إِذْ قُلْتُمْ سَمِعْنَا وَأَطَعْنَا

ماہنامہ

میثاق

لاہور

جلد: ۳۲ | شمارہ: ۲ | ربیع الثانی ۱۴۰۳ھ مطابق فروری ۱۹۸۳ء

عرضِ احوال ——— ۳
جمیل الرحمٰن

صدر پاکستان کے نام ایک خط ——— ۹
مکتوب نگار: ڈاکٹر اسرار احمد

خطاب بہ صدرِ مملکت ——— ۲۱
ڈاکٹر اسرار احمد

اصلاح معاشرہ کا قرآنی تصور ——— ۲۵
اجتماع جمعہ سے ڈاکٹر صاحب کا ایک خطاب

تقدیم بر تالیف 'اسلام اور پاکستان' ——— ۵۳
ڈاکٹر اسرار احمد

مولانا عتیق الرحمٰن سنبھلی کے ایک استفسار کا جواب ۵۷
مکتوب نگار: مولانا سید حامد میاں

اظہار اختلاف بر بعض عبارات ——— ۵۹
روداد تنظیم اسلامی حصہ اول و میثاق نومبر ۸۲ء
مولانا سید حامد میاں

عشرہ کاملہ ——— ۶۵
امیر تنظیم اسلامی کی کراچی میں مصروفیات
حافظ محمد رفیق

ادارۂ تحریر
شیخ جمیل الرحمٰن
حافظ عاکف سعید

سالانہ زرتعاون ۳۰/ روپے
قیمت فی شمارہ ۳ روپے

ناشر
ڈاکٹر اسرار احمد

طابع
چودھری رشید احمد

مطبع
مکتبہ جدید شارع فاطمہ جناح لاہور

مکتبہ تنظیم اسلامی
فون: ۸۵۲۶۱۱

خَیْرُکُمْ مَنْ تَعَلَّمَ الْقُرْاٰنَ وَعَلَّمَهٗ (حدیثِ نبوی)

(تم میں بہترین لوگ وہ ہیں جو قرآن کا علم حاصل کریں اور اس کے علم کو دوسروں تک پہنچائیں)

نشر القرآن کیسٹ سیریز

ڈاکٹر اسرار احمد

امیر تنظیم اسلامی

کے **دروسِ قرآن** اور

خطاباتِ عام

نشر القرآن تنظیم اسلامی

کیسٹ سیریز

لاہور: ۳۶۔ کے، ماڈل ٹاؤن، فون: ۸۵۲۶۱۱

کراچی: کمرہ ۱۱۱، داؤد منزل نزد آرام باغ شاہراہ لیاقت

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

جمیل الرحمٰن

عرض احوال

نحمدہٗ ونصلی علٰی رسولہ الکریم

اللہ ربّ العزت کی توفیق و تائید سے ' ماہنامہ میثاق ' کا ربیع الثانی ۱۴۰۳ھ مطابق فروری ۱۹۸۳ء کا شمارہ پیش خدمت ہے - اس شمارے میں جناب ڈاکٹر اسرار احمد کا وہ خط بھی شامل ہے جو موصوف نے ۲۷ دسمبر ۸۲ء کو صدر پاکستان محترم جناب جنرل محمد ضیاء الحق صاحب کی خدمت میں ارسال کیا تھا - ہمارا ملک سلطنت خداداد اس وقت دینی و اخلاقی اعتبار سے جس انحطاط و زوال اور سیاسی لحاظ سے جس تعطل و انتشار کے بحران سے دوچار ہے، وہ کسی سے پوشیدہ نہیں - اور یقیناً اس صورتِ حال سے ہر محبِ دین و محبِ وطن سخت مضطرب و پریشان اور مبتلائے تشویش ہے - ان ہی کیفیات سے ڈاکٹر صاحب موصوف بھی دوچار رہتے ہیں چنانچہ خالصتاً نصح و خیر خواہی کے جذبے کے تحت اپنے فہم کے مطابق مسجد دارالسلام باغ جناح لاہور میں اجتماعات جمعہ میں مسلسل کئی تقاریر میں وہ ان موضوعات پر مفصل اور سیر حاصل گفتگو کرتے رہے ہیں - مزید یہ کہ پاکستانی معاشرے میں حقیقی ایمان کی شمع فروزاں اور رجوت جگانے کے لئے دعوتِ رجوع الی القرآن اور تحریک تجدید ایمان، توبہ اور تجدید عہد کے لئے انہوں نے اپنی زندگی وقف کر رکھی ہے، ان کی تمام تر مساعی کا ہدف اسلام کی نشأۃ ثانیہ اور تجدید دین کی مثبت دعوت ہے - ملک کے موجودہ دینی انحطاط اور سیاسی بحران کو دُور کرنے کے جذبے کی خاطر انہوں نے محترم صدر پاکستان کو یہ خط لکھا تھا - اس خط کا متن روزنامہ جنگ کراچی، لاہور، راولپنڈی اور کوئٹہ میں بھی شائع ہو چکا ہے اور اب اس کو قارئین میثاق کے مطالعہ اور غور و فکر کے لئے اس شمارے میں شائع کیا جا رہا ہے - ڈاکٹر صاحب ان شاء اللہ اس خط پر آراء اور تبصروں کا خواہ وہ تائیدی ہوں خواہ اختلافی، خیر مقدم کریں گے اور ان پر غور و فکر فرمائیں گے - ہمارے علم کی حد تک دو تین روزناموں اور ایک موقر دینی ہفت روزہ میں تا حال تبصرہ کیا گیا ہے -

اگر ضرورت محسوس ہوئی تو ان آراء اور تبصروں کو مکمل یا ان کے اہم اقتباسات میثاق میں شائع کر دیئے جائیں گے۔

تقریباً سات آٹھ ماہ قبل سرکاری اور نیم سرکاری سطح پر تحریکِ اصلاح معاشرہ کا غوغا اٹھا تھا۔ شروع شروع تو سرکاری، نیم سرکاری طور پر محافل و مجالس، تقاریر و مضامین اور اخباری بیانات میں اس کا کافی چرچا رہا۔ لیکن جو حشر چادر و چہار دیواری کے تقدس کو قائم اور نافذ کرنے کے دعوے کا ہوا تقریباً اسی سے یہ تحریک بھی دوچار ہوئی اور اس غبارے میں سے بھی ہوا نکل گئی اور اب اس کا ذکر شاذ ہی ہوتا ہے۔ وہ بھی تبرکاً۔ بعض اہل دل اور دردمند اصحاب نے اس ضمن میں نہایت مخلصانہ اور دردمندانہ مشورے اور تجاویز بھی پیش کیں جو خالصتاً نفع و خیر خواہی پر مبنی اور عملی تدابیر سے متعلق تھیں۔ لیکن یہ باتیں صدا بصحرا ثابت ہوئیں اور ہوا میں تحلیل ہو کر رہ گئیں۔ چونکہ ملک کے بیشتر ذرائع ابلاغ جن میں سے دو مؤثر ترین ذرائع ریڈیو اور ٹیلیویژن ہیں اور جو براہ راست حکومت کے کنٹرول میں اصلاح و تعمیرِ معاشرہ کے بجائے تخریب کاری میں مصروف رہے۔ چنانچہ یہ تحریک اصلاح معاشرہ قطعی ناکام رہی۔ پھر مزید یہ کہ ریڈیو اور ٹی وی میں دینی و اصلاحی پروگراموں کا تناسب ویسے ہی انتہائی کم ہے اور جو کچھ پیش ہوتا ہے وہ کسی منصوبہ بندی کے بغیر اور محض تبرکاً اور برائے بیت ہوتا ہے۔ ان کا اگر کوئی اثر ناظرین پر مترتب ہوتا بھی ہو تو ایسے پروگراموں کے ماقبل اور مابعد کے پروگرام اس اثر کو اس طرح wash out کر دیتے ہیں جیسے سیلاب خس و خاشاک کو بہا لے جاتا ہے۔

ایک معاشرہ دراصل خاندانوں کے اجتماع سے عبارت ہوتا ہے اور خاندان کی اکائی فرد ہوتا ہے۔ لہٰذا اصلاح معاشرہ کی کسی تحریک کی کامیابی کے لئے فرد کی اصلاح کو اوّلیت و اقدمیت حاصل ہوتی ہے۔ اس ذیل میں سوال پیدا ہوتا ہے کہ فرد کی اصلاح اور اس کی تعمیر کردار اور سیرت سازی کی اساسات کیا ہیں! پھر ہمارے لئے انتہائی ضروری بلکہ قطعی ناگزیر بات یہ ہے کہ ہم یہ دیکھیں کہ انفرادی تعمیرِ سیرت و کردار اور اصلاحِ معاشرہ کے لئے ہمارا دین کن اساسات کی تعلیم و ہدایت

عطا فرماتا ہے۔ اسی ضمن میں ڈاکٹر صاحب نے مسجد دارالسّلام کے دو اجتماعاتِ جمعہ اور مرکزی انجمن خُدامُ القرآن کی دس سالہ تقاریب کے افتتاحی اجلاس میں "اصلاحِ معاشرہ اور قرآن حکیم" کے موضوع پر تین تقریریں کی تھیں، جن میں موضوع متعلّقہ کے ساتھ ساتھ بڑے شرح و بسط کے ساتھ وہ اصول و مبادی بھی آ گئے جو کسی اصلاحی تحریک کو انقلابی رنگ دے سکتے ہیں اور جن کی بدولت تعمیرِ کردار اور اصلاحِ معاشرہ ہی نہیں بلکہ ایک عالمی اسلامی انقلاب کی راہ ہموار ہو سکتی ہے۔ تنگیٔ داماں کے باعث پہلی تقریر کا بھی نصف حصہ اس اشاعت میں شامل ہو سکا ہے۔ ان شاء اللہ تمام ہی تقاریر کی اشاعت کا قسط وار سلسلہ جاری رہے گا۔

کتنی ستم ظریفی ہے کہ ایک طرف اصلاحِ معاشرہ کی تحریک چلائی جاتی ہے دوسری طرف قوم کو مختلف لغو بے مقصد اور تضیعِ اوقات کی انواع کی دلچسپیوں میں مشغول رکھنے کی کامیاب کوششیں بھی شدّ و مدّ کے ساتھ جاری رکھی جاتی ہیں۔ مزید برآں ثقافت کے نام پر سرکاری و نیم سرکاری سطح پر لذّت کوشی کے پروگراموں کو رُو بعمل لانے کا کام بھی تسلسل سے جاری ہے۔ جس کی تازہ ترین دو مثالوں کو پیش کرنے پر اکتفا کیا جائے گا۔ چونکہ یہ داستانِ غم اتنی طویل ہے کہ اس کے لئے 'عرضِ احوال' کے صفحات کفایت کر ہی نہیں سکتے۔ ان میں بہت نمایاں تفریحِ قوم کو کرکٹ فوبیا میں مبتلا کرنے کی رفتار میں بے حد و حساب اضافہ ہے۔ سالِ گذشتہ ۸۲ء میں پاکستانی ٹیم نے انگلستان کا دورہ کیا پھر خود ہمارے ملک میں سری لنکا، اسٹریلیا اور بھارت کی کرکٹ ٹیمیں آئیں۔ بھارت ٹیم کا یہ دورہ تاحال جاری ہے چونکہ یہ چھ ہفتہ دنوں پر محیط ہے اور فروری ۸۳ء کے اوائل میں اختتام پذیر ہوگا۔ بھارت کا یہ دورہ ان حالات میں شروع ہوا ہے جبکہ بھارت کے متعدد مشہور شہروں میں مسلمانوں کے خون سے ہولی کھیلی جا رہی تھی اور تاہنوز کھیلی جا رہی ہے۔ چنانچہ اس دورے میں بھارتی ٹیم کے منیجر جناب فتح سنگھ گائیکواڈ صاحب سابق مہاراجہ ریاست بڑودہ ہیں۔ اس دورے کے دوران 'بڑودہ' میں مسلمانوں کو تختۂ ستم بنایا گیا اور ان پر غیر مسلموں کی طرف سے تاخت ہوئی

جس کی وجہ سے جناب منیجر صاحب کو دورے کے درمیان دو تین دن کے لئے بڑودہ جانا پڑا۔ دل پر ہاتھ رکھ کر سوچئے کہ بھارت میں بسنے والے حساس و مظلوم دلوں پر کیا گزر رہی ہوگی ۔ ایک طرف بھارت میں ان کے خون سے ہولی کھیلی جا رہی ہو اور دوسری طرف پاکستان میں بھارتی کھلاڑیوں کے ساتھ بطور تفریح کرکٹ کا کھیل پورے جوش و خروش سے جاری ہو۔ اور اس میدان میں پاکستانی اپنی فتح پر شادیانے بجا رہے ہوں اور وہاں مسلمانوں کا جو مظلومانہ اور ناحق خون بہہ رہا ہے اس پر رونے والی آنکھ کوئی نہ ہو ۔ کھیل کی اس سیریز میں بھارتی ٹیم پر جو پاکستانی سرمایہ اور زر مبادلہ صرف اور ادا کیا جائے گا ۔ اس کی تفصیل روزنامہ جنگ (اشاعت ۲۴ر جنوری) میں اس طرح آئی ہے ۔

و "پاکستان بورڈ انڈین بورڈ کو اس سیریز کا معاوضہ تقریباً ۸۰ ہزار امریکن ڈالر میں ادا کریگا۔"

و "دیگر الاؤنسیز یہ ہوں گے ۔ ٹیم کو تینتیس ہزار چار سو روپے ہفتہ وار الاؤنس"

و "خرچہ رہائش کھانا ٹیم"۔

و "پانچ ہزار روپے منیجر ۔ ڈھائی ہزار روپے ڈپٹی منیجر"۔ اس میں یہ تصریح نہیں ہے کہ یہ الاؤنس ہفتہ وار ہے یا پورے دورے کے لئے ہے ۔ غالب گمان یہ ہے کہ یہ ہفتہ وار الاؤنس ہے، پھر ٹیم کے مختلف مقامات پر کھیل کے لئے آمد و رفت، جن میں ہوائی جہاز، ریل کی ایئر کنڈیشنڈ ۔ کلاس میں سفر اور دوسرے ٹرانسپورٹ کے اخراجات اس کے علاوہ ہیں استقبالیوں، عشائیوں اور انعامات کے اخراجات مستزاد اور یہ سب کچھ اس دور میں ہو رہا ہے جبکہ ضروریات زندگی کی اشیاء ملک میں انتہائی گرانی کی حد تک پہنچی ہوئی ہیں اور ملک توانائی (energy) بجلی اور گیس کے بحران سے دوچار ہے — پھر اسٹیڈیم میں کھیل دیکھنے کی بدولت قومی زندگی میں ایک نوع کے تعطل کی سی کیفیت طاری ہو جاتی ہے ۔ طلبہ طالبات، سرکاری اداروں کے کارکن عموماً ٹی وی پر میچ دیکھنے یا ریڈیو پر کمنٹری سننے میں اپنا وقت ضائع کرتے ہیں ۔ تقریباً یہی کیفیت اکثر نجی اداروں کے کارکنوں اور اکثر عام لوگوں پر طاری رہتی ہے ۔ اس پر ستم بالائے ستم یہ ہے کہ جمعۃ المبارک کا دن

لازماً اس کھیل میں شامل کیا جاتا ہے۔ ظاہر ہے کہ کسی اسٹیڈیم کے باہر تمام شرکاء کے لئے جمعہ کی نماز کی ادائیگی کا انتظام ممکن نہیں۔ گویا اس طرح قضاءِ صلوٰۃ جمعہ کے جرم کا حکومتی سطح پر ارتکاب ہوتا ہے۔ اسٹیڈیم میں بیٹھے رہنے یا اِدھر اُدھر مٹر گشت کرنے والوں میں اگر وہ لوگ بھی شامل ہوں جو سرے سے جمعہ کا اہتمام نہیں کرتے تو انفرادی طور پر وہ تو گنہگار ہیں ہی، البتہ جمعہ کو کھیل رکھنے کی وجہ سے تمام ارباب اختیار بھی اس جرم میں برابر کے شریک ہو سکتے ہیں، چاہے اس کا ان کو شعور ہو یا نہ ہو — اس مسئلہ پر محترم ڈاکٹر اسرار احمد صاحب اپنے خطابات اجتماع جمعہ میں دو ڈھائی سال قبل کئی بار حکومت کو توجہ دلا چکے ہیں اس کا ایک فوری اثر تو یہ ہوا تھا کہ وفاقی حکومت کی طرف سے اعلان ہوا تھا کہ جمعہ کی نماز سے قبل کوئی کھیل پاکستان کے کسی گراؤنڈ میں سرکاری سرپرستی میں نہیں ہوگا۔ لیکن گنتی کے چند ہفتوں تک تو اس پر عمل ہوا۔ پھر وفاقی حکومت کے اس اعلان کردہ ضابطے کی جس طرح دھجیاں بکھیری جاتی رہی ہیں، وہ پوری قوم کے سامنے ہے — اگر حکومت کی سطح پر اس ضابطے پر بھی عملدرآمد نہیں کرایا جا سکا تو غور طلب بات یہ ہے کہ آخر حکومت اپنے کن کن ضوابط اور قوانین کو واقعی نافذ اور رد بعمل لانے کی توقع رکھتی ہے!

حسنِ اتفاق سے ۲۸ نومبر ۸۰ء کو صلوٰۃ جمعہ کی ادائیگی کے لئے محترم جنرل محمد ضیاء الحق صاحب صدر پاکستان مسجد دارالسلام باغ جناح لاہور میں تشریف لے آئے۔ ڈاکٹر صاحب اس وقت اجتماع جمعہ سے خطاب کر رہے تھے۔ محترم صدر مملکت کی تشریف آوری سے فائدہ اٹھاتے ہوئے ڈاکٹر صاحب نے نصح و خیر خواہی کے پیشِ نظر صدر صاحب کو مخاطب کر کے چند مشورے پیش کئے تھے۔ جن میں ایک مشورہ یہ بھی شامل تھا:-

"اس موقع پر میں صدر صاحب کی خدمت میں چند باتیں ان کے غور و فکر کیلئے پیش کرنا چاہتا ہوں۔ پہلی بات تو یہ عرض کرنا چاہتا ہوں کہ خدارا جائزہ لیجئے کہ ہمارے ملک میں کرکٹ کے کھیل کو حکومت کی جو غیر معمولی سرپرستی حاصل ہے تو کیا یہ گیم قرآن مجید کی طرف سے ہم پر عائد کیا گیا ہے یا سنتِ رسولؐ سے ماخوذ ہے یا ہماری روایات اور تہذیب کا کوئی لازمی حصہ ہے۔ اس کھیل کی وجہ سے مارچ مارچ اور جھ جھ دن ہماری پوری قوم معطل

ہو کر رہ جاتی ہے - کھیل کی وجہ سے دفتروں میں کوئی کام نہیں ہوتا - لوگ یا تو ٹی وی کھولے کھیل دیکھتے ہیں یا ٹرانسسٹر ریڈیو کے ذریعے کامنٹری سنتے ہیں - غور کیجئے کہ کتنا قیمتی وقت قومی سطح پر ضائع ہوتا ہے - ہمارے گیمز اور بھی ہیں، جو ڈیڑھ دو گھنٹے میں کھیلے جاتے ہیں - ان میں ایکشن ہے - جوان مردی ہے - ایسے گیمز کی سرپرستی ہو تو کوئی مضائقہ نہیں لیکن یہ کرکٹ کا گیم واقعہ یہ ہے کہ میری سمجھ سے بالاتر ہے کہ آخر کیوں ہم نے اس کو سر فہرست رکھ چھوڑا ہے جبکہ اس گیم کا ہماری روایات سے کوئی تعلق نہیں! کیا محض اس لئے کہ یہ گیم ہمارے سابقہ بدیشی حکمرانوں کا خاص اور پسندیدہ کھیل ہے اس کو جاری رکھا گیا ہے! حقیقت یہ ہے کہ اس کھیل کی سرپرستی کا کوئی جواز یا فائدہ میری سمجھ میں نہیں آتا - وقت کا قومی سطح پر نیاں پھر اس کھیل پر لاکھوں کا خرچ! جو فضول خرچی اور اسراف کے ذیل میں آتا ہے — اس لئے میں عرض کروں گا کہ ہمدردی سے جائزہ لیجئے کہ اس گیم کی سرپرستی سے قومی سطح پر نقصان اور فائدے کا تناسب کیا ہے ع پھر کوئی مثبت قدم اٹھائیے - (ماخوذ از: میثاق شمارہ دسمبر ۸۰ء)

عام طور پر کہا جاتا ہے کہ کھلاڑی خیرسگالی اور صلح کے پیغامبر ہوتے ہیں اور کھیلوں کی بدولت ممالک میں ان جذبات کو فروغ حاصل ہوتا ہے - حالانکہ یہ بات صحیح نہیں ہے - عام طور پر ٹیمیں تلخیاں لے کر واپس جاتی اور آتی ہیں اور یہ بات کھیل کے شائقین سے پوشیدہ نہیں ہے - پھر ہارنے والی ٹیم جب اپنے ملک واپس جاتی ہے تو اس کی جو درگت بنتی ہے اس کی بھی متعدد مثالیں موجود ہیں — خیرسگالی، صلح اور شانتی کے جذبات کھیلوں کے ذریعے نہیں بلکہ سفارتی تعلقات و روابط سے پیدا ہوتے ہیں — خصوصی توجہات کا اصل میدان یہ ہے نہ کہ کھیل اور مقابلے کا میدان جہاں 'ہار جیت' پر نتائج مرتب ہوتے ہیں — جس سے تلخیاں جنم لیتی ہیں - واقعہ یہ ہے کہ کرکٹ انگریزوں کے لارڈز کا کھیل ہے جیسا کہ حال ہی میں ایک خطاب اجتماع جمعہ میں ایک سوال کے جواب میں ڈاکٹر صاحب نے کہا تھا جس کی رپورٹنگ اخبارات میں آچکی ہے اور جس پر انگریزی میگزین "M.A.G" کراچی

پاکستان میں

اِسلامی نظام کے نفاذ کے سلسلے میں پیش رفت

کے بارے میں رائے، اور

سیاسی تعطّل کے خاتمے

کی عملی تجویز

پر مشتمل

صدرِ پاکستان جنرل محمد ضیاء الحق بالقابہٗ

کی خدمت میں ایک مکتوبِ مفتوح

از:

ڈاکٹر اسرار احمد

(شائع شدہ: روزنامہ جنگ، کراچی، لاہور و اسلام آباد)

اپنے بھی خفا مجھ سے ہیں بیگانے بھی ناخوش
مَیں زہرِ ہلاہل کو کبھی کہہ نہ سکا قند!

(اقبال مرحوم)

بسم اللہ الرحمٰن الرحیمؒ

مکرمی و محترمی جناب جنرل محمد ضیاء الحق صاحب
چیف مارشل لاء ایڈمنسٹریٹر و صدرِ پاکستان

السلام علیکم و رحمۃ اللہ و برکاتہ

مزاج گرامی ۔ مندرجہ ذیل گذارشات پیش خدمت ہیں :۔

مجھے یقین ہے کہ آپ اس امر سے بخوبی واقف ہیں کہ میں معروف اور مروّجہ معنی میں ہرگز سیاسی آدمی نہیں ہوں اور میرے بیشتر اوقات اور تمام تر مساعی مستقبل کے اسلامی انقلاب کے لئے میدان ہموار کرنے کی غرض سے دعوتی و تبلیغی اور تعلیمی و تدریسی سرگرمیوں کے لئے وقف ہیں ۔ (چنانچہ یہی میرے وفاقی کونسل یا مجلسِ شوریٰ سے استعفےٰ کا اہم ترین سبب تھا ۔!)

ساتھ ہی مجھے اس امر کا بھی یقین ہے کہ یہ حقیقت بھی آپ کی نگاہوں سے اوجھل نہیں ہوسکتی کہ کوئی باشعور مسلمان خالص غیر سیاسی نہیں ہوسکتا ۔ بایں معنیٰ کہ وہ ملک و ملت کے حالات سے قطعاً بے خبر یا لاتعلق رہے اور قوم و وطن کی صلاح و فلاح یا اُن کو درپیش خطرات و خدشات کے بارے میں سوچ بچار اور غور و فکر سے بھی کام نہ لے ۔

چنانچہ میں بھی اس ضمن میں اپنی امکانی حد تک حالات کا مشاہدہ بھی کھلی آنکھوں سے کرتا ہوں اور دوسروں سے تبادلۂ خیال بھی کھلے قلب و ذہن کے ساتھ کرتا ہوں۔ (اور اس سلسلے میں مجھے اپنے اُن دَوروں اور سفروں سے بھی مدد ملتی ہے جو مجھے اپنی دعوتی و تبلیغی مساعی کے ضمن میں اندرونِ ملک یا بیرونِ وطن کرنے پڑتے ہیں) — اور پھر خود غور و فکر بھی کرتا ہوں اور اس کے نتیجے میں جو رائے بھی میری بنے، میں اپنا فرض سمجھتا ہوں کہ اس کے مطابق مشورہ پورے نصح و خیرخواہی کے جذبے کے ساتھ عوام کو بھی دوں اور ان کو بھی جن کے ہاتھوں میں ملک و قوم کی زمام کار ہے ۔ از روئے فرمانِ نبویؐ : " اَلدِّیْنُ النَّصِیْحَۃُ " یعنی " دین تو نام ہی نصح و اخلاص اور خیرخواہی و وفاداری کا ہے " اور جب پوچھا گیا " لِمَنْ یَارَسُوْلَ اللّٰہِ ؟ " یعنی " حضورؐ ! کس کے ساتھ ؟ " تو ارشاد ہوا : لِلّٰہِ وَلِکِتٰبِہٖ

وَلِرَسُوْلِہٖ وَلِاَئِمَّۃِ الْمُسْلِمِیْنَ وَعَامَّتِھِمْ"۔ یعنی "اللہ اور اس کی کتاب اور اس کے رسولؐ کے ساتھ اخلاص و وفاداری اور مسلمانوں کے اُولوالامر اور عوام دونوں کے ساتھ نصح و خیرخواہی!"

یہی وجہ ہے کہ آج سے سوا دو سال قبل اغلباً ۱۸ اگست ۸۰ء کو اسلام آباد میں علماء کنونشن سے قبل منعقدہ مشاورتی اجلاس کے موقع پر جب میں نے آپ سے چند منٹ علیحدگی میں گفتگو کی تھی، تب بھی بعض مشورے آپ کے گوش گذار کئے تھے جن کا تعلق اکثر و بیشتر ملک کی سیاسی صورتِ حال سے تھا اور پھر جب اوائل مئی ۸۲ء میں لاہور کے گورنمنٹ ہاؤس میں، میں 'شوریٰ' سے اپنا استعفیٰ پیش کرنے حاضر ہوا تھا، تب بھی میں نے بعض مشورے دیئے تھے جن کا تعلق اس ملک میں اسلامی نظام کے قیام و نفاذ سے تھا — اور اللہ گواہ ہے — اور مجھے یقین ہے کہ آپ کا دل بھی گواہی دے گا کہ ان دونوں مواقع پر میرا محرک مندرجہ بالا حدیث نبویؐ کے مطابق نصح و خیرخواہی کے جذبے کے سوا اور قطعاً کچھ نہ تھا! — اور خالصتہً اسی جذبے کے تحت آج پھر میں اس عریضے کے ذریعے حاضرِ خدمت ہو رہا ہوں، اس دُعا کے ساتھ کہ اللہ تعالیٰ مجھے حق کہنے اور آپ کو حق سننے اور اس پر عمل کرنے کی توفیق ارزانی فرمائے۔

اَللّٰھُمَّ اَرِنَا الْحَقَّ حَقًّا وَّارْزُقْنَا اتِّبَاعَہٗ وَاَرِنَا الْبَاطِلَ بَاطِلًا وَّارْزُقْنَا اجْتِنَابَہٗ آمِیْن یَارَبَّ الْعٰلَمِیْنَ۔

جہاں تک اس ملک میں 'اسلامی شعائر کی ترویج اور شریعتِ اسلامی کے نفاذ — یا بالفاظ دیگر 'اسلامی نظام' کے قیام کا تعلق ہے اس کے بارے میں مجھے اس وقت کچھ عرض نہیں کرنا۔ جس کا اصل سبب، میں معذرت کے ساتھ عرض کرتا ہوں، یہ ہے کہ اس معاملے میں میں آپ سے قطعاً مایوس ہو چکا ہوں۔ اور عرض و معروض یا گلہ شکوہ وہیں ہوتا ہے جہاں کوئی توقع موجود ہو!

مجھے خوب معلوم ہے کہ اس ذہنی و فکری اور اخلاقی و عملی ہر اعتبار سے نہایت بگڑے ہوئے معاشرے میں اسلام کا قیام و نفاذ کوئی آسان کام نہیں اور اس کیلئے

یقین محکم پر مبنی جرأتِ مومنانہ اور علم راسخ پر مبنی حکمتِ عملی کی ضرورت ہے۔ لیکن آپ کو تقدیرِ الٰہی نے جو ایک موقع عطا فرمایا تھا کہ آپ ع "بازی اگرچہ پا نہ سکا سر تو کھو سکا" کے مصداق اگر دینِ حق کے قیام و نفاذ کے لئے بھرپور کوشش اور پورے جرأت مندانہ اقدام کے باوجود خدانخواستہ ناکام رہتے تو کم از کم ایک ایسی مثال تو تاریخ میں چھوڑ جاتے کہ اگر ایک غیر مسلم (پرنس آف ویلز بعدہٗ ڈیوک آف ونڈسر) ایک عورت کی خاطر وقت کی عظیم ترین سلطنت کے تخت سے دست بردار ہو سکتا ہے تو ایک مسلمان چیف مارشل لاء ایڈمنسٹریٹر بھی اسلام کی خاطر حکومت و اقتدار کو قربان کر سکتا ہے۔ مجھے شدید افسوس ہے کہ آپ اس موقع کا حق ادا نہ کر سکے۔

اس ضمن میں، جیسا کہ میں نے ۲۰ اگست ۸۰ء کو علماء کنونشن میں اپنی تقریر میں عرض کیا تھا، ابتدائی تین سال، جو اس اعتبار سے نہایت قیمتی تھے کہ "تحریکِ نظامِ مصطفیٰ" کا جوش و خروش برقرار تھا اور ملکی فضا میں وہ کیفیت قائم تھی کہ نظامِ اسلامی کے نفاذ کے ضمن میں بڑے سے بڑا اقدام بھی بلا روک ٹوک کیا جا سکتا تھا، تعطل اور تربص کے نذر کر دیئے گئے (اس طرح اُسی غلطی کا اعادہ ہو گیا جس کا ارتکاب پاکستان میں برسرِ اقتدار آنے والی اوّلین قیادت نے کیا تھا۔)

پھر جب حدود اور زکوٰۃ آرڈی نینس کا اجرا ہوا اور اس پر اہل تشیّع کی جانب سے جارحانہ ردِّ عمل ظاہر ہوا تو نہ صرف یہ کہ گھٹنے ٹیک دیئے گئے بلکہ ——— زیادہ قابلِ افسوس اور اہم تر بات یہ کہ نظامِ زکوٰۃ کے ضمن میں شیعہ اور سُنّی کے مابین تفریق کر کے ضعیف الایمان یا ناواقف سُنّیوں کے شیعہ بن جانے کا دروازہ کھول دیا گیا ——— اس کے باوجود کہ میں نے ۱۸ اگست ۸۰ء کے مشاورتی اجلاس میں خدا کا واسطہ دے کر عرض کیا تھا کہ اس میں کوئی حرج نہیں ہے کہ آپ زکوٰۃ آرڈی نینس پورے کا پورا واپس لے لیں اور زکوٰۃ کی ادائیگی کو حسبِ سابق عوام کا نجی معاملہ قرار دیدیں ——— لیکن خدارا اس میں شیعہ اور سُنّی میں فرق و امتیاز نہ قائم فرمایئے گا۔

اجتماعیاتِ انسانیہ کے ذیل میں اوّلین معاملہ عائلی اور سماجی نظام کا ہے اور اس ضمن میں ایک طرف عائلی قوانین کو شریعت کورٹ کے دائرہ کار اور حدودِ اختیار میں لانے کی جرأت آپ اس لئے نہیں کر پا رہے کہ بعض اعلیٰ طبقات کی بیگمات اور کچھ مغرب

زدہ خواتین کی جانب سے ناموافق ردّعمل کا اندیشہ ہے — اور دوسری طرف معاشرے میں خواتین کے مقام و کردار اور ستر و حجاب یا خود آپ کے الفاظ میں "چادر اور چار دیواری" کے ضمن میں اسلام کے نقطۂ نظر کے بارے میں جو اختلافات گذشتہ دنوں ہمارے ملک میں زور شور سے ظاہر ہوتے، اس کے بارے میں اگرچہ زبانی تو آپ نے کچھ باتیں ایسی بھی کہیں جو دینی طبقات کے لئے اطمینان بخش تھیں، لیکن عملاً اپنا پورا وزن مغرب زدہ اور اباحیت پسند حلقے میں ڈال رکھا ہے (بالخصوص آپکے حالیہ غیر ملکی دوروں کے دوران آپ کی اہلیہ صاحبہ محترمہ کا یہ طرزِ عمل کہ سر سے چادر بھی اتر گئی — اور نامحرموں سے مصافحہ بھی ہوگیا — از خود بھی فیصلہ کن تھا، لیکن اس پر مزید مہرِ تصدیق آپ کے اُن فرمودات سے ثبت ہوگئی جو آپ نے غالباً ہوسٹن میں ارشاد فرمائے تھے۔)

بنابریں پاکستان میں اسلامی نظام کے قیام و نفاذ کے عظیم معرکے کے آپ کے ہاتھوں سر ہونے کی اب کم از کم مجھے کوئی امید باقی نہیں رہی — اور مجھے اس رائے تک پہنچنے میں کہ یہاں اسلام صرف انقلابی طریق کار ہی سے آسکتا ہے، آپ کے اس جملے نے بھی مدد دی ہے جو رحیم یار خان میں بلدیاتی نمائندوں کے ایک اجلاس میں ایک برقع پوش خاتون کونسلر کے "تابڑ توڑ" سوالات کے جواب میں کہ آپ نفاذِ اسلام کے لئے یہ کیوں نہیں کرتے؟ اور وہ کیوں نہیں کرتے؟ آپ نے ارشاد فرمایا تھا کہ "بیٹی! اس ملک میں اسلام کسی انقلابی عمل کے نتیجے میں نہیں آرہا کہ ہم اتنے بڑے بڑے قدم اُٹھا سکیں!!" (یہ روایت ہے رحیم یار خاں کے معروف دینی اور سماجی کارکن ڈاکٹر محمد نذیر مسلم صاحب کی، جو اس خاتون کونسلر کے ماموں ہیں)

تاہم پاکستان کی بقا اور اس کے استحکام کے ضمن میں ایک مشورہ میں آپ کی خدمت میں ضرور پیش کرنا چاہتا ہوں اور اصلاً اسی کے لئے یہ عریضہ تحریر کر رہا ہوں چونکہ مجھے اپنے ذاتی مشاہدات و معلومات اور حالات کے تجزئے اور جائزے سے شدید اندیشہ لاحق ہے کہ مستقبل کا مؤرخ کہیں یہ نہ کہے کہ "۱۹۴۷ء میں 'پاکستان' کے نام سے مسلمانوں کی جو عظیم ترین مملکت وجود میں آئی تھی اسے اوّلاً تو ۱۹۷۱ء میں دو لخت کیا ایک سزائی اور زنانی ٹولے نے اور پھر اس کے مزید ٹکڑے ہونے

(BALKANISATION) کا حادثہ رُونما ہوا ایک پابندِ صوم وصلوٰۃ اور دین دار و پرہیزگار شخص کے ہاتھوں!!" معاذ اللہ! ثم معاذ اللہ!!!

آپ کو یاد ہوگا کہ ۱۸ اگست ۰۸ کو بالکل علیحدگی میں گفتگو کے دوران میں نے آپ سے سوال کیا تھا کہ "ملک میں جو سیاسی خلا مارشل لاء کی وجہ سے پیدا ہو گیا ہے، اُس کو دور کرنے کے لئے آپ کے ذہن میں نقشہ کیا ہے -؟ میری رائے میں تو یہ سیاسی خلا (Political Vacuum) خودکشی (Suicide) کے مترادف ہے!!" — اس پر آپ نے گہرے تأثر کے انداز میں فرمایا تھا کہ "ڈاکٹر صاحب! میں نے اپنا تو جائزہ لے لیا ہے کہ میرے اندر ہمت نہیں ہے (جس کے معنی میں نے یہ لئے تھے کہ آپ صدر ایوب مرحوم کے طرزِ عمل کی جانب اشارہ کر رہے ہیں) لیکن موجودہ سیاسی جماعتوں کو حکومت دے دینے کو بھی میں اتنا ہی Suicidal سمجھتا ہوں اور تیسری کوئی شکل موجود نہیں ہے!" — جس پر میں نے عرض کیا تھا کہ "نہیں جناب! تیسری صورت موجود ہے اور وہ یہ کہ آپ No Party Basis اور Shortest Possible Notice پر الیکشن کرا دیں!!" — تو آپ نے فرمایا تھا کہ "ہاں اس پر ہم غور کر رہے ہیں کہ short notice اور No Party Basis نیز ایک L.F.O. کے ساتھ الیکشن کرا دیں!" — آخر میں میں نے عرض کیا تھا کہ "یہ بالکل درست خیال ہے لیکن آپ آخر کب تک سوچتے رہیں گے؟ جلدی کیجئے! "Time is running out for You" — آج اس گفتگو کو سوا دو سال سے زائد کا عرصہ گزر گیا لیکن افسوس ہے کہ وہ سیاسی خلا جوں کا توں موجود ہے اور آپ کی جانب سے اس کے دُور کرنے کے لئے تاحال کوئی پیش رفت نہیں ہوئی -

اس ضمن میں اغلباً آپ کے اطمینان کا باعث یہ امر ہے کہ آپ کے خلاف کوئی عوامی تحریک نہ تاحال چل سکی ہے، نہ ہی اس کا کوئی فوری اندیشہ موجود ہے — اس سلسلے میں میں یہ عرض کرنے کی اجازت چاہتا ہوں کہ خدارا اس صورت حال سے دھوکہ نہ کھائیے - اس لئے کہ اس کا اصل سبب بین الاقوامی حالات ہیں جن کے باعث پاکستان کے محبِ وطن بالخصوص دینی و مذہبی مزاج کے لوگ کوئی

Risk لینے کو تیار نہیں ہیں — لیکن ایک بات تو کون نہیں مانتا کہ بین الاقوامی حالات میں کوئی تبدیلی کسی بھی وقت رونما ہو سکتی ہے اور دوسرے کسی ملک کے بقا و استحکام کے لئے یقیناً بین الاقوامی صورتِ حال بھی کسی قدر اہم ہوتی ہے لیکن اصل اہمیت اس ملک کے اپنے عوام کا اطمینان ہوتا ہے -

اس سلسلے میں بالخصوص اندرونِ صوبہ سندھ جو لاوا پک رہا ہے، مجھے یقین ہے کہ اس کا علم آپ کو بھی لازماً ہوگا - لیکن میں اس امکان کو بھی یکسر نظر انداز نہیں کر سکتا کہ بعض اوقات صاحبِ اقتدار لوگوں کے اردگرد جن لوگوں کا حصار قائم ہو جاتا ہے وہ اُسے صحیح صورتِ حال سے مطلع نہیں ہونے دیتے - واللہ اعلم !

میرے اندازے میں سندھ میں "سندھو دیش" کے لئے میدان پوری طرح اُسی طرح ہموار ہو چکا ہے جیسے مشرقی پاکستان میں "بنگلہ دیش" کے لئے ہوا تھا اور اب فرق صرف یہ ہے کہ چونکہ مشرقی پاکستان ہم سے دُور اور کٹا ہوا تھا، اس لئے مرکزی حکومت وہاں مؤثر کنٹرول نہ کر سکی اور سندھ چونکہ زمینی طور پر ملحق ہے - لہٰذا یہاں ایسی کسی بھی تحریک کو بآسانی کچلا جا سکتا ہے، لیکن میرے نزدیک اس عامل (Factor) پر بہت زیادہ انحصار بھی سخت ناعاقبت اندیشی ہے -

مجھے خوب اندازہ ہے کہ ایک جانب ہم اس وقت جس صورتِ حال سے دوچار ہیں، اس میں اکثر سیاسی جماعتوں کے 'متفقہ' موقف کے مطابق ۱۹۷۳ء کے دستور کے تحت انتقالِ اقتدار کے لئے فوری انتخاب میں بہت سی پیچیدگیاں مضمر ہیں ــــ دوسری جانب ملک کے آئندہ نظام کے بارے میں آپکے ذہن میں جو مختلف تجویزیں ہیں، وہ بھی ملک و ملّت کی خیرخواہی کے جذبے پر مبنی ہیں ــــ اور تیسری جانب مختلف سیاسی حلقوں کی طرف سے بھی جو اختلافِ رائے ان موضوعات پر سامنے آرہا ہے کہ انتخابات جداگانہ ہوں یا مخلوط؟ ــــ اور حسب سابق ہوں یا متناسب نمائندگی کے اصول پر۔؟ وغیرہ وغیرہ ــــ وہ بھی یقیناً خلوص و اخلاص ہی پر مبنی ہیں ــــ لیکن میرے نزدیک اصل سوال یہ ہے کہ ان معاملات میں آخری فیصلہ کرنے کا مجاز کون ہے؟ کیا صرف آپ اور آپکے "رفقاءِ کار" یعنی مارشل لاء انتظامیہ؟ یا زیادہ سے زیادہ وہ سیاسی جماعتیں جو کسی درجے میں آپ کی منظورِ نظر ہیں یا کم از کم آپکے لئے قابلِ قبول ہیں ــــ؟؟ یا کوئی اور ــــ؟؟؟

میں اس مسئلہ پر کم و بیش چھ ماہ سے مسلسل غور کرتا آرہا ہوں ــــ اور ایک رائے جس پر میرا دل ٹھک گیا ہے، تجویز کی صورت میں خالصتہً ملک و ملّت اور خود آپکی خیرخواہی کے جذبے کے تحت آپکے سامنے رکھ رہا ہوں وہ تجویز یہ ہے کہ:۔

(۱) ملک میں ایک انتخاب فوراً ہو ــــ یعنی فروری یا مارچ ۱۹۸۳ء میں ــــ لیکن یہ انتخاب انتقالِ اقتدار یا تشکیلِ حکومت کے لئے نہ ہو بلکہ ایک 'منتخب مجلسِ شوریٰ' یا 'مجلسِ ملّی' کے لئے ہو ــــ اس میں حق رائے دہی کی اساس اور حلقہ جات کی تشکیل تو بالکل وُہی ہو جس پر فروری ۷۷ء میں انتخابات ہوتے تھے۔ لیکن ہو یہ خالص غیر جماعتی بنیاد (No Party Basis) پر ــــ!

(۲) اس طرح جو مجلسِ شوریٰ یا مجلسِ ملّی وجود میں آئے، اس کے سامنے ملک کے آئندہ نظام کے بارے میں جو تجاویز آپکے سامنے ہیں، وہ آپ رکھیں اور طرزِ انتخاب وغیرہ کے ضمن میں جو باتیں دوسرے لوگوں کے سامنے ہیں، انہیں وہ رکھیں ــــ اور ان تمام امور پر یہ مجلس ایک سال کے عرصے کے اندر اندر فیصلہ دے، جو نہ صرف یہ کہ دو تہائی اکثریت پر مبنی ہو بلکہ ہر صوبے سے منتخب

شدہ لوگوں کی بھی کم از کم نصف تعداد لازماً اس میں شامل ہو — !

(۳) اگر یہ مجلس اس مشکل مرحلے کو کامیابی سے سر کر لے اور مطلوبہ اکثریت کے ساتھ نظام تجویز کر دے تو مارشل لاء انتظامیہ تین سے چھ ماہ کے عرصے کے اندر اندر اس کے مطابق انتقالِ اقتدار اور تشکیلِ حکومت کے لئے الیکشن کرا دینے کی پابند ہو — اور اگر وہ مجلس ایک سال کے اندر اندر تفویض کردہ ذمہ داری سے عہدہ برآ نہ ہو سکے تو وہ از خود تحلیل (Dissolve) ہو جائے اور پھر تین سے چھ ماہ کے عرصے میں اسی 'مجلسِ شوریٰ' یا 'مجلسِ ملّی' کا انتخاب دوبارہ ہو اور جب تک مطلوبہ اتفاقِ رائے (consensus) حاصل نہ ہو، یہ سلسلہ جاری رہے — اور اس دوران میں فوج کے لئے نہ صرف اخلاقاً جائز بلکہ ملک و قوم کی حفاظت و سالمیت کے اعتبار سے لازم سمجھا جائے کہ وہ Care Taker کی حیثیت سے کاروبارِ حکومت چلاتی رہے — !

اس تجویز کے محاسن یا رویش پہلوؤں پر گفتگو کو میں اس لئے تحصیلِ حاصل سمجھتا ہوں کہ وہ اظہر من الشمس ہیں — البتہ اس کے خلاف اس واحد دلیل کا جائزہ لینا لازمی ہے جو بادی النظر میں بہت قوی معلوم ہوتی ہے یعنی کہ کہیں مجوّزہ مجلسِ شوریٰ یا مجلسِ ملّی ایک بھرپور "دستوریہ" (Full Fledged Constituent Assembly) کا کردار اختیار نہ کر لے اور دستورِ ملکی کے خطرناک صندوقچے (Pandoras Box) کو کھول کر اُن نازک اور پیچیدہ مسائل کو از سرِ نو نزاعی نہ بنا دے جو ۱۹۷۳ء کے دستور میں طے شدہ ہیں۔

میرے نزدیک یہ دلیل بہت کمزور اور لبودی ہے، اس لئے کہ مسائل کا حل ان سے اعراض اور صرفِ نظر سے نہیں بلکہ مقابلے اور مواجہے (یعنی Face کرنے) ہی سے ممکن ہوتا ہے — پاکستان کا قیام محض ایک وقتی حادثہ نہ تھا بلکہ ہندوؤں ایسی منظم اور بیدار قوم اور وقت کی حکمران طاقت (لیبر گورنمنٹ) کی متفقہ خواہشات

کے علی الرّغم پاکستان صرف اس لئے قائم ہوا کہ ایک طرف مسلمانانِ ہند کو ہندوؤں کے انتقامی طرزِ عمل کے اندیشے کا منفی محرک موجود تھا تو دوسری طرف احیائے اسلام کا مثبت جذبہ بھی موجود تھا جسے قائدِ اعظم مرحوم کے مسلسل اعلانات نے ایک نہایت قوی امید کی صورت دے دی تھی — اور تیسری طرف ارادہ الٰہی اور مشیتِ ایزدی بھی شاملِ حال تھی جو اصل فیصلہ کن عامل (Factor) ہے — اور یہ تینوں عوامل اب بھی پوری قوت و شدت کے ساتھ موجود ہیں — ضرورت صرف اس امر کی ہے کہ ان کو بروئے کار لانے کی کوشش کی جائے (یعنی Mobilise کیا جائے!) اور یہ کام ان شاءاللہ اس مجوزہ مجلسِ شوریٰ یا مجلسِ ملّی اور اس کیلئے منعقد ہونے والے انتخابات کے ذریعہ ہو جائیگا۔ اسلئے کہ چونکہ یہ انتخابات نہ تشکیلِ حکومت کے لئے ہوں گے اور نہ ہی جماعتی بنیاد (Party Basis) پر ہوں گے لہٰذا اس میں سیاسی حلقوں اور جماعتوں کی صف بندی (Polarisation) خالصتہً اس اساس پر ہوگی کہ کون محبِ دین اور محبِ وطن ہے — اور کون لادینیت، الحاد، مادہ پرستی، اباحیت اور علاقائی و لسانی قومیتوں کا عاشق اور پرستار — !! — اور مجھے یقین ہے کہ اگر تقسیم اس واضح اساس پر ہو تو ان شاء اللہ فیصلہ کن فتح محبِ اسلام اور محبِ پاکستان قوتوں کو حاصل ہوگی۔ جیسے کہ اکثر مبصرین اور تجزیہ نگار حضرات نے سقوطِ مشرقی پاکستان کے بعد کہا تھا کہ وہاں اگر لوگوں کے سامنے اصل مسئلہ یہ رکھا جاتا کہ 'پاکستان' کے ساتھ رہنا چاہتے ہو یا اس سے علیحدہ ہونا؟ — تو وہاں کے عوام کی غالب اکثریت لامحالہ 'متحدہ پاکستان' کے حق میں رائے دیتی!) مجھے اس تجزیہ سے کامل اتفاق ہے — اور مجھے یقینِ واثق ہے کہ میری تجویز پر عمل درآمد کے نتیجے میں ان شاءاللہ العزیز 'تحریک پاکستان' کے از سرِ نو احیاء کا وہ مقصد باحسنِ وجوہ حاصل ہو جائے گا جس کے لئے آپ ہر سال 'یومِ پاکستان'، — 'یومِ اقبال' — اور 'عید میلاد النبیؐ' منانے کے ضمن میں کروڑوں روپے صرف کر رہے ہیں۔ (جو معاف فرمائیے، اکثر و بیشتر ضیاعِ محض ہے — !)

میں اپنی اس تجویز اور اس کی افادیت پر بحمداللہ عقلی اور نظری اعتبار سے پوری طرح مطمئن ہوں۔ لیکن اس کے ساتھ ساتھ میرا ایک وجدانی احساس

بھی ہے، جسے میں آپ پر ظاہر کر دینے میں کوئی حرج محسوس نہیں کرتا — اور وہ یہ کہ قرآنِ حکیم میں سورۂ مائدہ میں بنی اسرائیل کی تاریخ کا یہ واقعہ مذکور ہے کہ مصر کے طویل دورِ غلامی کے نتیجے میں ان میں سیرت و کردار کا جو زوال و اضمحلال پیدا ہو گیا تھا، وہ چالیس برس کی صحرا نوردی کے بعد رفع ہو سکا تھا۔ مجھے ایسے محسوس ہوتا ہے کہ ہمیں بھی آزادی کے بعد بے یقینی اور بے مقصدیت کے صحرائے تیہ میں بھٹکتے ہوئے چالیس برس کے لگ بھگ ہونے کو آئے ہیں تو کیا عجب کہ اب اس بھٹکے ہوئے راہی کو منزل کا سراغ مل ہی جائے — !! اور مملکتِ خداداد پاکستان عالمی سطح پر احیاءِ اسلام اور غلبۂ دین کے انقلاب آفریں عمل کے ضمن میں اپنے مثبت کردار کو ادا کرنے کے لئے کمربستہ اور سرگرمِ عمل ہو ہی جائے — !!! وَمَا ذٰلِكَ عَلَى اللّٰهِ بِعَزِيْزٍ ۝

بصورتِ دیگر مجھے شدید اندیشہ ہے کہ ہمارا ملک تدریجاً جس محاذ آرائی کی جانب بڑھ رہا ہے اس کے دھماکہ خیز صورت اختیار کرنے میں اب زیادہ دیر نہیں لگے گی اور آپ کے تاحال امریکہ اور روس کے مابین جو نازک توازن برقرار رکھا تھا، اس میں آپ کے حالیہ دورۂ امریکہ کے بعد جو تبدیلی آئی ہے اُسکی بنا پر روس اور بھارت دونوں ایسی کسی بھی صورتِ حال سے بھرپور فائدہ اٹھانے کی ہر ممکن کوشش کریں گے — اور اس کا نتیجہ ملک و ملت کے حق میں کسی طرح بھی خوش آئند نہ ہوگا۔

فقط والسلام مع الاکرام

خاکسار

اسرار احمد عفی عنہ

۲۷ دسمبر ۸۲ء

مطابق ۱۰ ربیع الاوّل ۱۴۰۳ھ

خطاب بہ صدر مملکت

از: ڈاکٹر اسرار احمد

مسجد دارالسلام 'باغِ جناح' لاہور میں ۲۸ نومبر ۸۰ء کو صلوٰۃ جمعہ کی ادائیگی کے لئے محترم جنرل محمد ضیاء الحق صاحب صدر پاکستان تشریف لائے تھے۔ جناب ڈاکٹر اسرار احمد صاحب نے اس موقع کو غنیمت جانتے ہوئے اپنے خطاب اجتماع جمعہ میں چند گذارشات صدر صاحب موصوف کی خدمت میں پیش کیں تھیں۔ جن میں پہلی گذارش کرکٹ کے کھیل کی حکومت کی جانب سے غیر معمولی سرپرستی سے متعلق تھی اور اس میں وقت کو برباد کرنے والے اس کھیل کو بند کرنے کے مسئلے پر صدر محترم کو غور و فکر کی دعوت دی گئی تھی۔ دوسری گذارش ستر و حجاب اور تیسری گذارش عائلی قوانین سے متعلق تھی۔ ان آخر الذکر دو گذارشات کو ماہنامہ میثاق دسمبر ۸۰ء سے نقل کرکے یہاں پیش کیا جا رہا ہے۔ (ادارہ)

"دوسری بات میں نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے قول مبارک کے حوالے سے پیش کرنا چاہتا ہوں۔ حضورؐ نے فرمایا تھا کہ:

"میں اپنی اُمت کے بارے میں جس بات کا سب سے زیادہ اندیشہ رکھتا ہوں وہ عورتوں کا فتنہ ہے" (او کما قال صلی اللہ علیہ وسلم) خدا کے لئے سوچئے ہمارے دین کی کچھ روایات ہیں۔ کچھ شعائر ہیں۔ ہماری شریعت میں جہاں زنا اور قذف کیلئے حدود و تعزیرات مقرر کی گئی ہیں، وہاں ستر و حجاب کے لئے بھی کچھ احکامات دیئے گئے اور کچھ قیود عائد کی گئی ہیں میں یہ بات مختلف مواقع پر اپنی تقاریر و تحریرات میں عرض کر چکا ہوں اور ٹیلی ویژن پر بھی کہہ چکا ہوں کہ اگر آپ شریعت کے تمام احکام کو نافذ نہیں کریں گے تو یہ شریعت پر ظلم ہوگا اور لوگوں پر بھی ظلم ہوگا۔ ہمیں اپنی روایات کی طرف دیکھنا چاہیئے اور ہمیں سوچنا چاہیئے کہ ہم ان سے روگردانی تو نہیں کر رہے؟

میں بڑی دلسوزی کے ساتھ عرض کرنا چاہتا ہوں کہ کچھ پتہ نہیں، میری زندگی کتنی ہے اور کتنی زندگی صدر صاحب! آپ کی ہے لہٰذا قول حق کہنے میں نہ مجھے مداہنت

اختیار کرنی چاہیئے اور نہ ہی آپ کو اس پر سنجیدگی سے غور و خوض کرنے میں تامل کرنا چاہیئے - آپ سوچیئے کہ آپ اللہ تعالےٰ کے ہاں اس بات کا کیا جواب دیں گے کہ آپکے عہد حکومت میں پاکستان میں خواتین کی ہاکی کی ٹیم دیار غیر جانے کے لئے تیار ہو رہی ہے - اور ایسے معاملات میں قدم پیچھے ہٹنے کے بجائے آگے بڑھ رہے ہیں - ہم تو یہ چاہتے ہیں کہ آپ سیلاب کا رُخ موڑیں اور معاشرے سے وہ طور طریقے ختم کرنے کی کوشش کریں جو ہمارے دین کی رُو سے برائیاں ہیں اور ہماری اخلاقی اقدار کے قطعی منافی ہیں - خدا نے آپ کو اس کا موقع دیا ہے - سیاسی باتیں میں اس موقع پر نہیں کرنا چاہتا - وہ اپنی جگہ اہم ہیں - لیکن ہر چیز کا اپنا ایک مقام ہے - ویسے بھی میں عرض کر چکا ہوں کہ میں ایک غیر سیاسی آدمی ہوں اور میں اپنی زندگی دین مبین اور اللہ تعالےٰ کی کتاب قرآن حکیم کی خدمت کے لئے وقف کر چکا ہوں - میری یہ حقیر اور ناچیز کوششیں میرے لئے کسی درجہ میں بھی توشۂ آخرت ہو جائیں تو یہی میرے لئے سب سے بڑی سعادت ہے لیکن میں اپنا دینی فرض سمجھتا ہوں کہ مجھے کتاب و سنت سے جو کچھ معلوم ہوا ہے وہ نبی اکرمؐ کے قول مبارک کہ "الدین النصیحۃ" کی تعمیل میں آپ کی دینی و دنیوی خیر خواہی کے جذبے کے ساتھ آپ کے سامنے رکھ دوں - جو کچھ احکام ہماری شریعت کے جزو لاینفک ہیں امہات المؤمنین کے لئے سورۂ احزاب میں جو احکام آئے ہیں، وہ محض تلاوت کے لئے نہیں ہیں بلکہ عمل کے لئے ہیں جیسے ہمارے مردوں کے لئے محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اُسوۂ حسنہ ہیں - ہماری خواتین کیلئے بھی تو اُسوہ چاہیئے تھا - سورۃ احزاب ہی میں یہ آیت آئی ہے "لَقَدْ كَانَ لَكُمْ فِي رَسُولِ اللَّهِ أُسْوَةٌ حَسَنَةٌ" (سورۃ احزاب آیت ۲۱) بلاشبہ اے مسلمانو! تمہارے لئے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی سیرت مطہرہ ایک بہترین و کامل نمونہ ہے - اب خواتین کیلئے بھی تو ایک اُسوہ حسنہ چاہیئے تھا - خواتین کی زندگی کے کچھ پہلو ایسے بھی ہیں جن کے لئے نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی زندگی اُسوہ نہیں بن سکتی - اس ضرورت کیلئے ہماری خواتین کے لئے اُسوہ ہے ازواج مطہرات کا - اسی لئے ازواج مطہرات سے قرآن مجید میں اسی سورۂ احزاب میں فرمایا گیا ہے کہ یٰنِسَآءَ النَّبِيِّ لَسْتُنَّ كَاَحَدٍ مِّنَ النِّسَآءِ (آیت ۳۲) "اے نبی کی بیویو! تم عام عورتوں کی طرح نہیں ہو" یعنی تمہیں تو اُمت کی خواتین کے لئے نمونہ بننا ہے - اسی لئے فرمایا کہ "اگر تم میں

سے کسی نے کوئی غلط حرکت کی تو اسے دوہری سزا دی جائیگی" (آیت ۳۰) اور "تم میں سے جو اللہ اور اس کے رسول کی اطاعت کریگی اور نیک عمل کریگی، اس کو ہم دوہرا اجر دیں گے" (آیت ۳۱) ازواج مطہرات کو جو تنبیہ کی گئی اور جو بشارت دی گئی ہے تو یہ معاملہ ہمارے غور و فکر کا ہے۔ ہمیں چاہیئے کہ ان آیات پر تدبر کریں اور ان سے جو ہدایات اخذ ہوں، ان پر عمل پیرا ہونے اور دوسروں سے عمل کرانے کی حتی الامکان اور حتی الوسع کوشش کریں۔ مجھے اندازہ ہے کہ انگریز کی غلامی اور دوسرے اسباب سے ہمارے معاشرے کی ذہنی و اخلاقی اقدار و روایات میں زبردست انحطاط آیا ہے۔ میں جانتا ہوں کہ ہماری معیشت کا ایسا ڈھانچہ بن گیا ہے جس میں عورتیں معاشی میدان میں کام کر رہی ہیں۔ ان کا مسئلہ کافی پیچیدہ ہے۔ لیکن میں عرض کرونگا کہ

'Where there is a Will there is a way'

یعنی عزم مصمم ہو اور یہ ارادہ کر لیا جائے کہ یہ کام کرنا ہے، اپنی روایات اور اپنے دین کی تعلیمات کو اختیار کرنا ہے تو ان شاء اللہ راہ آسان ہو جائیگی۔

تیسری بات مجھے یہ عرض کرنی ہے کہ صدر ایوب مرحوم کے دور میں جو عائلی قوانین نافذ کئے گئے تھے، ان کو پاکستان کے ہر مکتب فکر کے علماء کرام نے غلط قرار دیا تھا لیکن آج بھی ان کو تحفظ حاصل ہے۔ خدا کے لئے سوچیئے کہ جو قوانین بالاتفاق شریعت سے متصادم ہیں، وہ کیوں نافذ ہیں۔ ہماری دعا ہے کہ اللہ تعالیٰ آپ سے کوئی بڑا کام لے اور آپ اس ملک کی تاریخ میں ایک عظیم شخصیت کا مقام حاصل کریں۔ ہمارے ہاں بڑے بڑے لوگ پہلے بھی اقتدار میں آئے ہیں۔ اللہ تعالیٰ نے ان کو مواقع دیئے بدقسمتی سے وہ محروم رہ کر اس دنیا سے چلے گئے ہم نہیں چاہتے کہ آپ کا نام بھی ایسے لوگوں میں شامل ہو۔ لہذا میری مخلصانہ اپیل ہے کہ جو مواقع آپکو حاصل ہیں، انکو غنیمت سمجھا جائے۔ تبدیلی اور اصلاح کے کام کا آغاز چھوٹی چھوٹی سی باتوں ہی سے کیجئے "قطرہ قطرہ بہم شود دریا" ــ میں نے کچھ چھوٹی چھوٹی باتیں آپکے سامنے رکھی ہیں۔ میری دعا ہے کہ اللہ تعالیٰ آپ کو اس کی توفیق عطاء فرمائے کہ جو قول حق ہے، اس کو سنیں اور قرآن حکیم کے الفاظ مبارکہ کا کامل مصداق بنیں "اَلَّذِیْنَ یَسْتَمِعُوْنَ الْقَوْلَ فَیَتَّبِعُوْنَ اَحْسَنَہٗ" یعنی جو صحیح بات بھی آپ کے گوش گزار ہو، اس کو عزم مصمم اور بہترین طریق سے [illegible]

ہر مسلمان پر

حسب صلاحیت و استعداد

قرآن مجید

کے مندرجہ ذیل پانچ حقوق عائد ہوتے ہیں

① ـــــ ایمان و تعظیم ـــــ یہ کہ اُسے مانے

② ـــــ تلاوت و ترتیل ـــــ یہ کہ اُسے پڑھے

③ ـــــ تذکّر و تدبّر ـــــ یہ کہ اُسے سمجھے

④ ـــــ حکم و اقامت ـــــ یہ کہ اُس پر عمل کرے

⑤ ـــــ تبلیغ و تبیین ـــــ یہ کہ اُسے دوسروں تک پہنچائے

ان حقوق سے واقفیت اور آگاہی حاصل کرنے کے لیے

جناب ڈاکٹر اسرار احمد صاحب کی شہرۂ آفاق تالیف

"مسلمانوں پر قرآن مجید کے حقوق"

کا مطالعہ اِن شاء اللہ العزیز بے حد مفید ہوگا

ڈاکٹر اسرار احمد

اصلاحِ معاشرہ کا قرآنی تصوّر

جناب ڈاکٹر اسرار احمد امیر تنظیم اسلامی نے مسجد دارالسلام میں ۲۹ اکتوبر اور ۵ نومبر ۸۲ء کے اجتماعاتِ جمعہ اور ۱۲ نومبر کو جناح ہال میں مرکزی انجمن خدام القرآن کی تاسیس کی دس سالہ تقاریب کے افتتاحی اجلاس کے موقع پر مندرجہ بالا موضوع پر تقاریر کی تھیں جن میں سے پہلی تقریر ٹیپ سے منتقل کر کے قارئین کی خدمت میں پیش کی جا رہی ہے۔ ان شاء اللہ العزیز مزید تقاریر آئندہ بالترتیب "میثاق" کی زینت بنیں گی ——— (ادارہ) ———

——— ترتیب وتسوید: (شیخ) جمیل الرحمان ———

اَعُوْذُ بِاللّٰهِ مِنَ الشَّيْطٰنِ الرَّجِيْمِ ـ بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ ط

وَقَالَ اللّٰهُ تَبَارَكَ وَتَعَالٰى فِىْ سُوْرَةِ الْبَقَرَةِ

وَالَّذِيْنَ اٰمَنُوْٓا اَشَدُّ حُبًّا لِّلّٰهِ ط (آیت ۱۶۵)

وَقَالَ اللّٰهُ عَزَّ وَجَلَّ فِىْ سُوْرَةِ التَّوْبَةِ

قُلْ اِنْ كَانَ اٰبَآؤُكُمْ وَاَبْنَآؤُكُمْ وَاِخْوَانُكُمْ وَ اَزْوَاجُكُمْ وَعَشِيْرَتُكُمْ وَاَمْوَالُ نِ اقْتَرَفْتُمُوْهَا وَتِجَارَةٌ تَخْشَوْنَ كَسَادَهَا وَمَسٰكِنُ تَرْضَوْنَهَآ اَحَبَّ اِلَيْكُمْ مِّنَ اللّٰهِ وَرَسُوْلِهٖ وَجِهَادٍ فِىْ سَبِيْلِهٖ فَتَرَبَّصُوْا حَتّٰى يَاْتِىَ اللّٰهُ بِاَمْرِهٖ ط وَاللّٰهُ لَا يَهْدِى الْقَوْمَ الْفٰسِقِيْنَ ـ (آیت ۲۴)

وَقَالَ اللّٰهُ سُبْحَانَهٗ وَتَعَالٰى فِىْ سُوْرَةِ الْعَلَقِ

كَلَّآ اِنَّ الْاِنْسَانَ لَيَطْغٰٓى ۙ اَنْ رَّاٰهُ اسْتَغْنٰى ۭ اِنَّ اِلٰى رَبِّكَ الرُّجْعٰى ۭ (۹۶-۷-۸)

صَدَقَ اللّٰهُ مَوْلَانَا الْعَظِيْمُ۔

اما بعد: رَبِّ اشْرَحْ لِيْ صَدْرِيْ وَيَسِّرْ لِيْ اَمْرِيْ وَاحْلُلْ عُقْدَةً مِّنْ لِّسَانِيْ يَفْقَهُوْا قَوْلِيْ اَللّٰهُمَّ رَبَّنَا اٰتِنَا فِيْ الدُّنْيَا حَسَنَةً وَّفِي الْاٰخِرَةِ حَسَنَةً وَّقِنَا عَذَابَ النَّارِ۔ اَللّٰهُمَّ اَرِنَا الْحَقَّ حَقًّا وَّارْزُقْنَا اتِّبَاعَهٗ وَاَرِنَا الْبَاطِلَ بَاطِلًا وَّارْزُقْنَا اجْتِنَابَهٗ۔

اٰمین یارب العٰلمین۔

حضرات آپ کے علم میں ہے کہ اس وقت ہمارے ملک میں سرکاری اور نیم سرکاری دونوں سطحوں پر اصلاحِ معاشرہ کی مہم جاری ہے۔ اس سے قطع نظر کہ یہ مہم اکثر و بیشتر صرف کاغذی ہے۔ یہ چند محافل و مجالس میں تقریروں کے موضوع کی شکل میں اور پھر اخبارات میں خبروں کی صورت میں نظر آتی ہے۔ اس معاملے کا اہم ترین پہلو یہ ہے کہ اس مہم کا نہ کوئی سر ہے نہ پیر۔ میں یہ الفاظ جان بوجھ کر استعمال کر رہا ہوں سر سے میری مُراد کیا ہے اور پیر سے میری مُراد کیا ہے اور ان دونوں کا اس مہم میں موجود نہ ہونا میرے نزدیک کیا معنی رکھتا ہے؟ آج اسی ضمن میں مجھے کچھ عرض کرنا ہے۔ اصلاحِ معاشرہ کا پیر یا اس کی جڑ، اس کی اساس تعمیرِ کردار ہے۔ افراد کی شخصیتوں کی تعمیر کے لیئے جو مثبت اساس ضروری ہے اگر وہ فراہم نہ کی جا رہی ہو، اس پر توجہ نہ دی جا رہی ہو، اس پر نگاہیں مرکوز نہ ہو رہی ہوں تو ظاہر بات ہے کہ مہم چاہے کتنے ہی جوش و خروش سے اُٹھائی گئی ہو اور لوگ اس ضمن میں کتنی ہی توانائی اور کتنا ہی وقت صرف کر رہے ہوں۔ ایسی تمام کوششیں بالکل بے بنیاد ہیں اور ان کی کوئی جڑ اور اساس نہیں ہے۔ سر کے مفہوم میں جو بات میرے پیشِ نظر ہے، وہ یہ ہے کہ کسی معاشرے میں اگر نظام صالح اور عادلانہ نہ ہو اور اس وجہ سے لوگوں میں سکون، اطمینانِ قلب کی کیفیات اور تعمیری و مثبت احساسات و جذبات پیدا ہونے کے بجائے نفرت، بغض، عداوت اور انتقام کے جذبات پرورش پا رہے ہوں تو اس نظام میں اصلاحِ

معاشرہ کی کوئی مہم اور کوشش کے کامیاب ہونے کا کوئی امکان سرے سے موجود نہیں ہوتا۔ سر اور پیر سے میرا مفہوم یہ ہے :۔

میرے نزدیک اصلاحِ معاشرہ کی جڑ اور بنیاد ہے تعمیرِ سیرت و کردار کی مثبت کوشش اور اس کی چوٹی یہ ہے کہ معاشرے میں جو نظام قائم ہو وہ عادلانہ ہو مبنی بر قسط و انصاف ہو۔ اس میں اطمینان و سکون کی کیفیات موجود ہوں اور اس نظام کے تحت زندگی گزارنے والوں کے اذہان و قلوب انتقامی اور نفرت و عداوت کے منفی جذبات سے نہ صرف پاک ہوں بلکہ ان جذبات کے بجائے ان میں تعمیری و مثبت احساسات جاگزیں ہوں۔۔۔ ان دونوں کے مابین ایک درمیانی سطح ہے جس کے پیشِ نظر کچھ نہ کچھ کرنے کی کوشش ہو رہی ہے۔ اور وہ ہے اوامر و نواہی کا ایک نظام اور تعزیر و تادیب اور احتساب کا ایک قانونی سلسلہ۔ یہ کام بھی یقیناً اصلاحِ معاشرہ میں ممد ہوتا ہے اور اس کی بھی ضرورت ہے۔ لیکن میرے نزدیک یہ درمیانی شے ہے۔ اور جب تک تعمیرِ کردار کی تعمیری و مثبت کوشش نہ ہو اور جب تک معاشرے میں ایک عادلانہ نظام قائم نہ کیا جائے اُس وقت تک محض یہ دار و گیر، تعزیر و تادیب، احتساب اور اوامر و نواہی کے صرف نعروں اور SLOGANS سے پیشِ نظر اصل مقصود حاصل نہیں ہو سکتا۔

اصلاحِ معاشرہ کے لیے میں نے جن امور کو سر اور پیر سے تعبیر کیا ہے یا جن کو سر اور پیر قرار دیا ہے، اس کو اجمالی طور پر تو میں نے بیان کر دیا ہے لیکن اس اجمال سے یہ مسئلہ پوری طرح واضح نہیں ہوتا۔ اس کا خود مجھے بھی احساس ہے اور یقیناً آپ حضرات کو بھی ہو گا لہٰذا اب میں اس اجمال کو اللہ تعالیٰ کی تائید و توفیق کے بھروسے پر قدرے تفصیل سے آپ کے سامنے پیش کرنے کی کوشش کروں گا۔ آپ حضرات سے میری درخواست ہے کہ میری معروضات پر اپنی توجہات کو مرکوز رکھیے۔

عام طور پر لوگ یہ سمجھتے ہیں کہ تعمیرِ کردار و سیرت کا انسان کی عقل یا فکر یا اس کے ذہن سے شاید زیادہ تعلق ہے۔ حالانکہ حقیقت اس کے بالکل برعکس ہے۔ تعمیرِ سیرت و کردار کا اصل تعلق انسان کے جذبات سے ہے۔ جذبات اگر صحیح رُخ پر پڑیں گے اور صحیح نہج پر اُبھریں گے تو کردار صحیح ہو گا ورنہ بسا اوقات جو کچھ ہوتا ہے وہ میرے اور آپ کے مشاہدے بلکہ ذاتی تجربے کی بات ہے کہ ؎

جانتا ہوں ثوابِ طاعت و زہد　　پر طبیعت اِدھر نہیں آتی

جبلّی و فطری اور شعوری طور پر انسان نیکی اور بدی کی تمیز رکھتا ہے۔ وہ جانتا ہے کہ بھلائی کیا ہے اور بُرائی کیا ہے۔ خیر کیا ہے اور شر کیا ہے؟ — پھر ذرائع ابلاغ کے ذریعے کسی نہ کسی درجہ میں یہ بات پھیلائی جاتی رہتی ہے کہ یہ خیر ہے یہ شر ہے۔ یہ بھلائی ہے، یہ بُرائی ہے — محراب و منبر سے بھی اس کی تلقین و تبلیغ ہوتی ہی رہی ہے اور اب بھی ہو رہی ہے اسی طریقے سے اگر حکومت کے ایوانوں سے بھی اس کی نشر و اشاعت کا سلسلہ شروع ہو گیا ہے تو بہرحال یہ بھی اپنی جگہ پر ایک مفید بات اور کام ہے — لیکن اصل مسئلہ یہ نہیں ہے کہ لوگ جانتے نہیں ہیں کہ رشوت لینا اور دینا بُرا ہے۔ اصل مسئلہ یہ نہیں ہے کہ لوگوں کو معلوم نہیں ہے کہ جھوٹ بولنا، غیبت کرنا، بہتان لگانا بُرائی ہے۔ اصل مسئلہ یہ نہیں ہے کہ لوگوں کو علم نہیں ہے کہ خیانت، سرقہ، قمار، زنا بُری شے ہیں۔ وعدہ خلافی بُری بات ہے، دھوکہ دینا بُرائی ہے — ملاوٹ، ذخیرہ اندوزی، بلیک مارکیٹنگ، اسمگلنگ، اور اسی نوع کی اخلاقی اور معاشرتی خرابیاں بدی ہیں۔ بھلائی بہرحال نہیں ہیں۔ کوئی بھی ان باتوں کو ذہناً اور شعوری طور پر اچھا نہیں سمجھتا لیکن بات وہی ہے کہ:

جانتا ہوں ثوابِ طاعت و زہد　　پر طبیعت اِدھر نہیں آتی

اصل مسئلہ یہ ہے کہ بُرائیوں کو چھوڑنے اور اچھائیوں کو اختیار کرنے پر طبیعت آمادہ نہیں ہوتی۔ چونکہ بُرائیوں میں لذّت بھی ہے اور منفعت بھی[1] قرآن حکیم کا فلسفہ تو یہ ہے کہ خیر و شر اور نیکی و بدی کی تمیز اور شعورِ فطرتِ انسانی میں موجود ہے — تمیز و امتیاز کی یہ صلاحیت و اہلیت اللہ تعالیٰ نے انسان کو الہامی و وجدانی طور پر عطا کی ہے۔ یہ علم اس کی جبلّت و فطرت میں ودیعت شدہ ہے۔ چنانچہ سورۃ الشمس میں اس حقیقتِ کبریٰ کو بایں الفاظ بیان فرمایا گیا ہے:

وَنَفْسٍ وَّمَا سَوّٰىهَا ۝ فَاَلْهَمَهَا فُجُوْرَهَا وَتَقْوٰىهَا (۷-۸)

اور قسم نفسِ انسانی کی اور قسم اُس ذات کی جس نے اُسے سنوارا پھر اس کی بدی اور اس کی پرہیزگاری اس پر الہام کر دی۔

---

[1] جیسے حدیث شریف میں آیا ہے: حُجِبَتِ النَّارُ بِالشَّهَوَاتِ (مرتب)

اصل اور اہم ترین سوال یہ ہے کہ وہ کونسی چیز ہے جو انسان کو خیر، نیکی اور بھلائی کو اختیار کرنے پر آمادہ کرے، درآں حالیکہ اُسے خیر کو اختیار کرنے کی وجہ سے فوری طور پر کوئی تکلیف یا نقصان پہنچ رہا ہو!— اور کونسا وہ جذبہ ہے جو اُسے شر، بدی اور بُرائی سے اجتناب کرنے پر آمادہ کرے درآں حالیکہ اُسے نظر آ رہا ہو کہ اس سے اس کو فوری طور پر کوئی منفعت یا لذت حاصل ہو رہی ہو!!— ان تمام محرکات کے برعکس انسان کے جذبے کو مہمیز کرنے اور ارادے کو تقویت دینے والی شے کیا ہے؟ اس ضمن میں بڑی پیاری بات ہے جو علامہ اقبال مرحوم نے اپنے فلسفۂ تعلیم کے ذیل میں کہی ہے۔ وہ کہتے ہیں کہ "نظامِ تعلیم میں اصل شے جو مطلوب ہے وہ عقل اور ذہن کی تربیت نہیں ہے عقل اور ذہن کے اندر تو نمو اور ظہور کی خلقی (IN HERENT) صلاحیت موجود ہے"۔ ان کی اس رائے کے ضمن میں یہ بات جان لیجئے کہ وہ علم جو اللہ تعالیٰ نے حضرت آدمؑ کو عطا فرمایا تھا وَعَلَّمَ اٰدَمَ الْاَسْمَآءَ کُلَّھَا۔ یہ درحقیقت اس کا ظہور (EXPOSURE) ہے جو بہرحال ہونا ہی تھا۔ یہ تمام مادّی علوم، یہ تمام ٹیکنالوجی اور یہ تمام فزیکل سائنسز دراصل ان تمام کا علم بالقوّہ (حضرت آدم علیہ السلام کو دے دیا گیا تھا جس کا تہذیب و تمدن اور علوم و فنون کی ترقی و ارتقاء کے ساتھ ساتھ نمو اور ظہور ہوتا چلا آ رہا ہے جس کے لیے میں انگریزی کا لفظ (EXPLOIATION) استعمال کرتا ہوں۔ جیسے ایک بند کلی ہے اس میں بالقوہ پتیاں اور پھول موجود ہے جب وہ کھلتی ہے تو پتیوں اور پھول کا ظہور ہوتا ہے۔ پس یہ علم تو انسانیت کو عطا ہو چکا تھا لیکن اس کو تدریجاً ظہور پذیر ہونا تھا۔ جیسے میں نے کلی سے غنچہ اور پھر اس سے پھول بننے کے مدارج کی مثال دی۔ اس کی دوسری مثال بیج اور درخت کی ہے کہ بیج میں بالقوّہ درخت موجود ہوتا ہے لیکن پورا درخت بننے میں وقت لگتا ہے۔ اس لیے یہ شے تو انسان میں پہلے سے ہی موجود تھی۔ اور اسے بروئے کار آنا ہی تھا۔ علامہ اقبال مرحوم آگے کہتے ہیں کہ "نظامِ تعلیم کی جو اصل ضرورت ہے وہ یہ ہے کہ وہ انسان میں ارادہ و عزم کی ایک کیفیت پیدا کرنے اور قوتِ ارادی کی تربیت کرے"۔ مجھے یقین ہے کہ علامہ مرحوم کی اس بات سے آپ کا ذہن علامہ کی اردو اور فارسی کی شاعری کی اس خصوصیت کی طرف منتقل ہو گیا ہوگا،

جس کو انہوں نے "تعمیرِ خودی" سے تعبیر کیا ہے۔ "تعمیرِ خودی" یعنی انسان کے ارادے اور اس کی عزیمت کی تربیت اس نوع سے کہ جس چیز کو وہ صحیح اور درست سمجھتا ہے اس پر کھڑا ہو سکے۔ اس پر استقامت حاصل ہو۔ جس چیز کو وہ سمجھتا ہے کہ غلط ہے اس سے وہ رُک سکے خواہ اس میں کوئی تکلیف آ رہی ہو۔ خواہ وہ چیز اس کے لیے فوری طور پر کتنی ہی نقصان دہ بن رہی ہو۔ پس تربیتِ ارادہ ہی کو علامہ مرحوم نے اپنی شاعری میں تعمیرِ خودی سے تعبیر کیا ہے۔

اب ذرا ذہن میں لائیے کہ ہمارے یہاں جو تعمیرِ کردار کا جو عظیم نظام ایک طویل عرصے سے جاری رہا ہے جسے عام طور پر "تزکیۂ نفس" کے نظام سے موسوم کیا جاتا ہے، وہ بڑا مؤثر نظام تھا۔ یہ نہ سمجھیے کہ وہ کوئی بے بنیاد شے تھی۔ یہ ٹھیک ہے کہ ہمارے ایسے ادارے (INSTITUTIONS) الّا ماشاء اللہ بگاڑ (CORRUPTION) کا شکار ہو گئے۔ ان میں فساد رونما ہو گیا۔ ہم میں سے اکثر و بیشتر لوگوں نے اسلام کی جو عظیم عبادات ہیں انہیں بھی محض رسومات بنا کر رکھ دیا ہے۔ بقول علامہ اقبال مرحوم:—

رہ گئی رسمِ اذاں رُوحِ بلالی نہ رہی　　فلسفہ رہ گیا تلقینِ غزالی نہ رہی

تو اس طرح ہمارے وہ ادارے اور ہمارے وہ نظام بھی اس وقت اپنی اصل اور جوہر سے ہمیں ہٹے ہوئے نظر آ رہے ہیں۔ الّا ماشاء اللہ — تو اس کا یہ مطلب نہیں ہے کہ وہ ادارے ہی بے بنیاد اور بے اصل تھے — ہمارے ہاں اصلاحِ اخلاق، تزکیہ نفس اور تعمیر و تربیتِ خودی کا جو نظام رائج رہا ہے اور اب بھی الّا ماشاء اللہ بگڑی شکل میں جاری ہے — یاد ہے کہ اس کا نقطۂ آغاز کیا لفظ ہے؟ وہ ہے "مُرید" طلبِ ہدایت اور رہنمائی کے مقصد کے لیے کسی شخص کی طرف رجوع کرنے والا "مُرید" ہوتا ہے — مُرید کے معنی کیا ہیں؟ وہ ہیں ارادہ کرنے والا۔ جس نے عزم و ارادہ کیا ہے کہ وہ ہدایت کی راہ پر چلے گا۔ انسان جانتا تو ہے کہ خیر یہ ہے اور شر یہ ہے بھلائی یہ ہے اور بُرائی یہ ہے۔ لیکن اس کی اصل ضرورت یہ ہے کہ اس میں ایک ارادہ وجود میں آ جائے۔ پھر اس ارادے کو تقویت حاصل ہو۔ اس کی قوتِ ارادی مضبوط ہو تاکہ وہ خیر کی طرف پیش قدمی کر سکے درآں حالیکہ اس میں دشواری اور

مشکل درپیش ہو۔ جیسے کہ حدیث شریف میں الفاظ آئے ہیں: حُجِبَتِ الْجَنَّةُ بِالْمَكَارِهِ۔ "جنت بہت سی ناگوار چیزوں سے گھیر دی گئی ہے" جنت کے حصول کے لیے بڑھنا ہو تو بڑی ناگوار کیفیات اور ناپسندیدہ مشکلات سے سابقہ پیش آکر رہے گا۔ نفس پر شاق گزرنے والی باتوں اور کاموں سے واسطہ پڑ کر رہے گا — آگ اور خون کی وادیوں ہی سے گزر کر انسان جنت تک پہنچ سکتا ہے۔ کوئی ٹھنڈی سڑک یا مال روڈ جنت کی طرف لے جانے والی راہ نہیں ہے — سختیاں اور شدائد و مصائب جنت کی راہ کے سنگ ہائے میل ہیں۔ ان سب چیزوں اور مرحلوں کا مقابلہ و مواجہہ (FACE) کرنے کا ایک پختہ ارادہ وجود میں آئے اور اس ارادے کو تقویت دینے والا ایک نظام موجود ہو تو جنت کی شاہ راہ پر انسان کی پیش قدمی ممکن ہو سکے گی — ہمارا خانقاہی نظام درحقیقت اسی بنیاد پر قائم تھا اور اسی لیے اس کا نقطۂ آغاز تھا لفظِ مُرید — یعنی وہ شخص جس نے خیر کی راہ پر چلنے کا ارادہ کر لیا ہے اور خود کمرِ ہمت کس لی ہے اب اس کو ایک ایسا نظام درکار ہے جو اس کے ارادے کو تقویت دینے کا باعث ہو۔

اب سوال یہ پیدا ہوتا ہے کہ انسان کے اندر یہ ارادہ پیدا کرنے اور اُسے تقویت دینے والی شے کیا ہے! یا جس کے متعلق میں نے کہا تھا کہ جذبات کو صحیح رُخ پر ڈالنے والی چیز کونسی ہے!! اگر تعمیرِ کردار کا اصل تعلق انسان کے جذبات کے ساتھ ہے۔ اصل ضرورت علم و فہم کی نہیں ہے۔ وہ اپنی جگہ ہیں، ان کا اپنا ایک مقام ہے لیکن یہاں جو موضوع زیرِ بحث ہے وہ ہے تعمیرِ کردار — کردار کے اعتبار سے ہو سکتا ہے کہ ایک اَن پڑھ شخص کسی بڑے فلسفی سے بھی بہت بلند ہو — یہ نہ سمجھیئے گا کہ میں علم کی اہمیت کی نفی کر رہا ہوں۔ وہ اپنی جگہ مسلّم ہے۔ لیکن مسئلہ یہ ہے کہ جس موضوع پر ہم اس وقت گفتگو کر رہے ہیں اس کے اعتبار سے کس چیز کی زیادہ اہمیت ہے! — مولانا رومؒ کا وہ شعر یاد کیجئے کہ ؎

علم را بر دل زنی یارِ بود ! علم را بر تن زنی مارِ بود !

وہ ہی علم ہے کہ اگر انسان اس کو اپنے دل پر ڈالے، اس کا سایہ دل پر پڑے، اس کا انعکاس قلب پر ہو تو وہ علم انسان کا دوست ہے، اس کو سیدھی راہ

بتانے والا ہے ــــ اور وہی علم اگر تن پر ڈال دیا جائے اور اس کو صرف انسان اپنی معاش کے حصول کا ذریعہ بنالے یا دنیا کمانے کا ایک وسیلہ سمجھ بیٹھے تو وہ انسان کے حق میں سانپ ہے ــــ علم کی نفی ہرگز مقصود نہیں ہے۔ اس کی اپنی جگہ اہمیت ہے اور بہت بڑی اہمیت ہے۔ بفحوائے الفاظِ قرآنی: اِنَّمَا یَخْشَی اللّٰہَ مِنْ عِبَادِہِ الْعُلَمَاءُ ـ پھر علم کا جو مرتبہ اور مقام ہے اس کے لیے نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کا یہ فرمان بھی موجود ہے کہ "رات بھر کی عبادت کے مقابلے میں ایک عالمِ دین کی ایک گھنٹے کی تعلیم و تعلّم افضل ہے" ۔ ہمارے دین میں نسبت و تناسب یہ ہے کہ ایک شخص پوری رات نوافل کی ادائیگی کے لیے کھڑا رہتا ہے اس کے مقابلے میں ایک عالمِ دین، دین کے درس و تدریس میں ایک گھنٹہ صرف کرتا ہے تو اس دوسرے کام کو آں حضورؐ افضل قرار دے رہے ہیں۔ پس علم کا بلند مقام اپنی جگہ ہے۔ میں جو بات بیان کر رہا ہوں، وہ یہ ہے کہ اصل میں تعمیرِ کردار و سیرت کا تعلق جذبات سے ہے، فکر و فہم سے نہیں ہے۔ اس کا تعلق انسان کے ارادے سے ہے اور اس ارادے کو تقویت کی ضرورت ہے ــــ

اس موضوع سے متعلق یہ بات بھی جان لیجئے کہ انسانی جذبات دو نوعیتوں کے ہوتے ہیں۔ یا جذبہ محبت کا ہوتا ہے یا جذبہ خوف کا ــــ یہ دونوں بنیادی جذبات ہیں کہ جن کے تحت انسان کی سیرت، اس کا کردار، اس کا اخلاق اور اس کا رویّہ بنتا اور بگڑتا ہے اور ان ہی دونوں جذبات کے تحت ایک انسان کی زندگی کے اعمال اور معاملات ایک مخصوص شکل اور نہج و طرز اختیار کرتے ہیں ــــ پس انسان کے تمام جذبات محبت اور خوف پر مبنی ہوتے ہیں۔ ہم محبت کو مثبت اور خوف کو منفی جذبہ کہہ سکتے ہیں ــــ

اب ذرا جائزہ لیجئے کہ دنیا میں اس وقت جتنے بھی نظام ہائے فکر و عمل موجود ہیں، ان میں آپ دیکھیں گے کہ ان نظاموں میں انسانی تہذیب و تمدن اور سیاسیات و عمرانیات کی اجتماعی گاڑی چلانے کی اسکیم میں ملک کے رہنے والے لوگوں کی تعمیرِ کردار اور تعمیرِ سیرت و شخصیت کے لیے ان دونوں جذبات کو کسی نہ کسی اعتبار سے سمویا اور استعمال (EMPLOY) کیا گیا ہے۔ محبت کے اعتبار سے دیکھئے

تو ان تمام نظام ہائے فکر و عمل میں اپنے وطن کی محبت، اپنی قوم کی محبت یا اپنی تاریخ کے کسی عظیم شخصیت کی محبت (HERO WORSHIP) — یہ محبتیں آپ کو دنیا کے اکثر و بیشتر معاشرے کے لوگوں کی تعمیر کردار و سیرت میں نمایاں طور پر کارفرما نظر آئیں گی — اور امرِ واقعہ بھی یہی ہے کہ ان محبتوں کی بنیاد پر ایک کردار وجود میں آتا ہے اور ہم دنیا میں اس کا مشاہدہ سر کی آنکھ سے کر سکتے ہیں۔ اسے قوم پرستانہ سیرت کہیں، شخصیت پرستانہ کردار کہیں لیکن اس میں کوئی شک نہیں کہ ان میں سے ہر ایک محبت کی بنا پر ایک کردار وجود میں آتا ہے۔ اگر انسان میں واقعی اپنے وطن، اپنی قوم اور اپنے مشاہیر (HEROES) کی محبت ہے تو اس میں اپنی قوم کی سربلندی اور اپنے وطن کی عظمت کے لیے اپنے وقار اور غیرت کے لیے ایثار کا جذبہ پیدا ہوگا۔ قربانی کا جذبہ پیدا ہوگا۔ محنت و مشقت کا جذبہ پیدا ہوگا۔ ہم دنیا میں دیکھتے ہیں کہ واقعہ یہ ہے کہ ان جذبات اور ایثار و قربانی کی بدولت اکثر قوموں نے دنیا میں بہت کچھ — ACHIEVE کیا ہے اور وہ فائز المرام ہوئی ہیں۔ آخر اس وقت دنیا میں مسلمانوں کے علاوہ جو بے شمار قومیں ہیں وہ خدا پرست قومیں تو نہیں ہیں، ان کا آخرت پر تو کوئی یقین ہی نہیں ہے۔ ان کے یہاں اس وقت جو بھی نظام ہے وہ درحقیقت اسی نوع کی محبتوں کی بنیاد پر قائم ہے۔ یہی محبتیں ان قوموں کے جذبات کو متحرک (MOTIVATE) کرتی اور رکھتی ہیں۔ اسی طرح بھی انسانوں میں ایک زوردار جذبۂ عمل اُبھرتا ہے ایک مضبوط کردار وجود میں آتا ہے جو اپنے معاشرے اور اپنے ملک کو مضبوط بنیادیں فراہم کرتا ہے۔

ہمارا معاملہ اس وقت یہ ہے کہ ہمارا جو اصل نظام فکر ہے جس کو عام طور پر ہم "نظام عقائد" سے تعبیر کرتے ہیں۔ اس میں وطن کی عظمت اور قوم کی عظمت اور شخصیت پرستی کی کوئی جگہ نہیں۔ زمین کے تقدس کا کوئی احساس ہمارے دلوں میں راسخ نہیں — زمین زمین ہے، رہنے کی جگہ ہے، اس میں ہماری معاش ہے۔ بس اس سے زائد تو کچھ نہیں۔ یہ کوئی دیوی نہیں، یہ کوئی دیوتا نہیں۔ یہ کوئی ماتا نہیں "دھرتی ماتا"، کا کوئی تصور ہمارے نظامِ فکر میں موجود نہیں[1]۔ وطن اور زمین کے لیے ہمارے یہاں جو تقدس یا مقدس کا لفظ بعض اوقات استعمال ہو جاتا ہے

حاشیہ اگلے صفحہ پر دیکھئے ۔

وہ بھی دوسروں کے دیکھا دیکھی زبان پر یا تحریر میں آ جاتا ہے اور بس۔ لیکن واقعتاً ہمارے احساسات جس فکر کے تابع ہیں اور ہمارا ضمیر جس مٹی سے اُٹھا ہے، اس میں ایسی کوئی چیز موجود نہیں ہے اور نہ اس کی کوئی گنجائش ہے ۔ ہمارا معاملہ کچھ اور ہے[1]

لیکن بدقسمتی سے وہ اور تو موجود ہے نہیں۔ یہ بات بھی صحیح ہے کہ وطن کی تقدیس کا تصور بھی موجود نہیں ہے تو یوں سمجھئے گویا ہمارے پاؤں تلے زمین ہی نہیں ہے ـــ وہ اور یہ ہے کہ اسلام جو برتر، بالاتر اور ارفع و اعلیٰ محبتیں ہمارے دلوں میں پیدا اور راسخ کرنا چاہتا ہے وہ اللہ کی محبت ہے۔ اس کے رسول کی محبت ہے ـــ اس پر تفصیل سے میں آگے کچھ عرض کروں گا ـــ وہاں تک ہماری رسائی ہوئی نہ ہو اور یہ محبتیں جن پر دنیا کچھ نہ کچھ کھڑی ہے جن کی بنیاد پر ان کے یہاں ایک قومی کردار موجود ہے۔ وہ دوسروں کو دھوکہ دے لیں گے لیکن اپنی قوم کو دھوکہ نہیں دیتے وہ دوسری قوموں کو فریب دے لیں گے، ان سے عہد شکنی کریں گے، ان پر جور و تعدّی کر لیں گے لیکن اپنی قوم کے ساتھ یہ معاملہ نہیں کرتے ـــ یہ بڑی بنیادی بات ہے۔ دیکھئے نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے دعوتِ اسلامی کے آغاز ہی میں اسی بنیادی بات کو اپنے ایک خطبے میں بطور استدلال استعمال فرمایا ـــ ایسا محسوس ہوتا ہے کہ بالکل ابتدا ہی میں آں حضورؐ نے یہ خطبہ بنو ہاشم یا قبیلہ قریش کے سربرآوردہ افراد کے کسی اجتماع میں ارشاد فرمایا تھا۔ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم فرماتے ہیں :

---

[1] اس کے برعکس قرآن حکیم کا ارشاد تو یہ ہے کہ : یٰعِبَادِیَ الَّذِیْنَ اٰمَنُوْٓا اِنَّ اَرْضِیْ وَاسِعَةٌ فَاِیَّایَ فَاعْبُدُوْنِ ۝ (عنکبوت - ۵۶) "اے میرے بندو جو ایمان لائے ہو میری زمین وسیع ہے، پس تم میری ہی بندگی بجا لاؤ"، یعنی تمہاری تخلیق کی اصل غایت عبادت ربّ ہے۔ اگر کسی مومن کو اپنے وطن میں عبادت کے تقاضے پورے کرنے میں مشکل پیش آ رہی ہو تو وہ اپنے وطن کو چھوڑ کر وہاں چلا جائے جہاں وہ اللہ کا بندہ بن کر رہ سکے۔ اسی آیت کے پیشِ نظر ہجرتِ حبشہ واقعہ ہوئی تھی۔ (مُرتّب)

[2] ۔ اس بات کی علامہ اقبال مرحوم نے یوں تفسیر کی ہے :

اپنی ملّت پر قیاس اقوامِ مغرب سے نہ کر — خاص ہے ترکیب میں قومِ رسولِ ہاشمی (مُرتّب)

اِنَّ الرَّائِدَ لَا یَکْذِبُ اَھْلَہٗ وَاللّٰہِ لَوْ کَذَبْتُ النَّاسَ جَمِیْعًا مَا کَذَبْتُکُمْ وَلَوْ غَرَرْتُ النَّاسَ جَمِیْعًا مَا غَرَرْتُکُمْ وَاللّٰہِ الَّذِیْ لَا اِلٰہَ اِلَّا ھُوَ اِنِّیْ لَرَسُوْلُ اللّٰہِ اِلَیْکُمْ خَاصَّۃً وَّاِلَی النَّاسِ کَافَّۃً۔

"(لوگو!) تم جانتے ہو کہ رائد (قافلے کا رہنما) اپنے قافلے والوں کو کبھی جھوٹ نہیں بولتا۔ اللہ کی قسم!!! اگر (بالفرض محال) میں تمام انسانوں سے جھوٹ کہہ سکتا تب بھی تم سے کبھی نہ بولتا اور اگر (بالفرض محال) میں تمام انسانوں کو دھوکہ اور فریب دے سکتا تب بھی تمہیں کبھی نہ دیتا۔ اس اللہ کی قسم! جس کے سوا کوئی اللہ نہیں! میں اللہ کا رسول ہوں۔ تمہاری طرف خصوصاً اور پوری نوع انسانی کی طرف عموماً۔!

یہ اُس خطبے کی تمہید ہے۔ میرا جو کتابچہ "دعوت الی اللہ" کے نام سے دستیاب ہے، اس میں یہ پورا خطبہ موجود ہے۔ بڑا ہی عظیم خطبہ ہے اگرچہ نہایت مختصر ہے، لیکن انتہائی جامع ہے۔ دعوتِ اسلامی کا خلاصہ، اس کا لُبِ لباب اس کا جوہر اس میں موجود ہے۔ ساتھ ہی اس میں یہ بات بھی بتادی گئی ہے کہ کس شے کی اقدمیت ہے اور وہ کونسی چیز ہے جو مؤخر ہے۔ پھر اس میں خطابت اپنی معراج پر ہے۔ گو چند جملے ہیں۔ حضورؐ کا اپنا ارشاد ہے کہ اَنَا اَفْصَحُ الْعَرَبِ — اس خطبے کا تمہیدی جملہ دیکھئے اس میں کتنی مؤثر اپیل ہے: اِنَّ الرَّائِدَ لَا یَکْذِبُ اَھْلَہٗ وَاللّٰہِ لَوْ کَذَبْتُ النَّاسَ جَمِیْعًا مَا کَذَبْتُکُمْ وَلَوْ غَرَرْتُ النَّاسَ جَمِیْعًا مَا غَرَرْتُکُمْ۔ "تم میرے اپنے ہو (YOU ARE MY KITH AND KIN) میں تم کو کیسے دھوکہ دے سکتا ہوں۔ جس طرح قافلہ کا رائد، (راستہ بتانے والا) اپنے قافلے والوں کو دھوکہ دے کر ہلاکت میں نہیں ڈال سکتا، اسی طرح میں تمہارے ساتھ جو میرے اپنے ہو دھوکہ اور فریب کا معاملہ کیسے کرسکتا ہوں۔!" لہٰذا آں جنابؐ نے اس انتہائی قریبی رشتے کے حوالے سے فرمایا کہ میں اگر (بالفرض) پوری دُنیا سے جھوٹ بول سکتا تو تم سے کبھی نہ بولتا اور (بالفرض) اگر میں پوری دنیا کو فریب دے سکتا تو تم کو کبھی نہ دیتا۔" چونکہ اس وقت مکّہ والوں کی ذہنی سطح

قوم پرستانہ ہی تھی ۔ کَلِّمُوا النَّاسَ عَلٰی قَدْرِ عُقُوْلِھِمْ کے پیشِ نظر نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے ان کی اس ذہنی سطح اور افتادِ طبع کے مطابق اپنے اس خطبے کی تمہید باندھی۔

وہ بات ہے جو میں عرض کر رہا ہوں کہ اگر قوم کی عظمت کا کوئی احساس ہو یا وطن کے تقدس کا کوئی لحاظ ہو جیسے "جے ہند" کا نعرہ ۔ تو یہ چیزیں اور نعرے دلوں کو گرماتے ہیں۔ اگر واقعی قوم اور وطن سے محبت ہے تو ان چیزوں اور نعروں سے انسان کے دل میں ایک جذبۂ عمل اُبھرے گا اس کی خوابیدہ قوت بروئے کار آجائیگی پھر وہ قوم و وطن کے لیے قربانیاں دے گا۔ بڑے سے بڑے کٹھن مراحل سے گزر جائے گا۔ پس قوم اور وطن کی محبت وہ چیزیں ہیں جن کو دنیا کے بہت سے نظام ہائے فکر میں جذبات کو انگیز کرنے اور تعمیرِ کردار کے لیے اختیار کیا گیا ہے ۔ اور ان محبتوں کی بنا پر ایک قومی کردار وجود میں آتا ہے جس سے یہ ضرور ہوتا ہے کہ انسان اپنی قوم اور اپنے اہلِ وطن کو نہ دھوکہ دیتا ہے نہ ان سے فریب سے کام لیتا ہے۔ نہ قوم اور وطن سے غداری کرتا ہے ۔ تو اس کا حاصل یہ ہوتا ہے کہ قوم کی عزت اس کا وقار محفوظ رہتا ہے اور اُسے عالمی سطح پر ایک مقام میسّر آتا ہے۔

اسی محبت کے جذبے کو پیدا کرنے کے ضمن میں زمانہ حال میں ایک اور مظہر ہمارے سامنے آیا ہے اور وہ ہے کسی **نظریہ کی محبت** ۔ اور اس نظریے کے بول بالا کرنے کی محبت اور جذبہ ۔ اس فکر کا جب تجزیہ کیا جائے گا تو معلوم ہوگا کہ اس کی تہہ میں درحقیقت انسان کی محبت کارفرما نظر آئے گی۔ گویا وطن سے محبت قوم سے محبت، کسی قومی شخصیت سے محبت۔ ان تین محبتوں سے ایک بالاتر محبت بھی ہے۔ اور وہ ہے انسان دوستی اور انسان سے محبت ۔ فلسفہ میں آج کل اس کا بڑا چرچا ہے اور اس پر بہت زور ہے اور اس کا نہایت پرچار ہے ۔ اسے فلسفے میں HUMANISM یعنی انسان دوستی یا حبِ انسان سے موسوم کیا جاتا ہے۔ اگر آپ غور کریں تو آپ تسلیم کریں گے کہ یہ محبت آفاقی بھی ہے اور یہ محبت بھی ایک بہت بڑا جذبۂ محرکہ بن سکتی ہے۔ انسان کی خیر کے لئے یہ محبت ایک بہت MOTIVATING FORCE بن سکتی ہے۔ لیکن اس کی جو زیادہ عملی شکل سامنے آئی ہے ۔ لوگ تو بہت سے ہوں گے HUMANISTS بننے والے لیکن اس معیار

پر پورے اترنے والے شاذ ہی نظر آئیں گے کہ مہ چوں دُم بر داشتم مادہ بر آمد ۔۔ نظر یہی آئے گا کہ اوپر نعرہ ہے HUMANISM کا لیکن درحقیقت تہہ میں کوئی نہ کوئی نیشنلزم اور وطن پرستی پوشیدہ ہے اور اصل تسلط ان ہی چیزوں کا ہے) ۔۔۔۔ اور اس حُبِّ انسان یا HUMANISM کا یہ عملی مظہر ضرور سامنے آیا ہے کہ جب کوئی ایسی IDEALOGY اور کوئی ایسا نظریہ انسان کے سامنے آتا ہے کہ وہ سمجھتا ہے کہ اس نظریئے کو اختیار کرنے میں انسانیت کی خیر ہے، اس میں انسان کی بھلائی ہے، اس سے ظلم ختم ہو جائے گا، اس سے استحصال کی بیخ کنی ہو جائے گی، اس نظریئے کے روبکار آنے سے عدل و قسط اور منصفانہ نظام اجتماعی قائم ہو سکے گا جس کی بدولت انسان کو امن و سکون اور چین میسر آئے گا، مثلاً یہ کہ ایک CLASSLESS سوسائٹی وجود میں آ جائے گی اور اس سوسائٹی میں امتیازات اور فرق و تفاوت ختم ہو جائے گا، سب انسان برابر ہو جائیں گے حقیقی مساوات قائم اور اونچ نیچ مفقود ہو جائے گی تو انسان دوستی کے جذبے کے پیش نظر یہ نظریہ انسان کے تصورات (IMAGINATIONS) کو قابو (CATCH) کرتا اور انسانوں کے اذہان و قلوب کو مطمئن (CONVINCE) کرتا ہے۔ پھر جو لوگ اس نظریئے کو دل و جان سے قبول کرتے ہیں وہ اس کے پرچار اور اس کے مطابق ایک نظام بالفعل قائم کرنے کے لئے محنت و مشقت کرتے ہیں۔ اپنا تن من اور دھن اس کیلئے نچھاور کرتے ہیں۔ قربانیاں دیتے ہیں۔ ایثار کرتے ہیں۔ پھانسیوں کے پھندوں کو چوم کر اپنی گردنوں میں ڈالتے ہیں۔ اپنے گریبان کھول کر اور سینہ تان کر FIRING SQUAD کا مواجہہ کرتے ہیں ۔۔۔ تو اس تمام عمل کی تہہ میں دراصل "حُبِّ انسانیت" (HUMANISM) کا جذبہ ہی کارفرما ہوتا ہے۔ یہی محبت ایسے لوگوں کے لئے قوتِ محرکہ یعنی MOTIVATING FORCE کا کام انجام دیتی ہے۔ یہی جذبہ ایسے لوگوں کو اتنی عظیم قربانیاں دینے پر آمادہ کرتا ہے۔

۔۔۔۔ گذشتہ جنگ عظیم کے موقع پر جرمن اور جاپانی قوم کا جو جذبہ تھا وہ تو یقیناً ان کی قوم پرستی کی بنیاد پر تھا۔ وہ کسی IDEALOGY اور نظریئے کے غلبے اور تسلط کے لئے نہیں بلکہ ملک گیری اور اپنی قوم اور اپنے ملک کے استیلاء اور اپنی حکومت کی وسعت کے تحت تھا لیکن ان کے مقابلے میں وہ ملک بھی تھا جس کے پاس ایک آفاقی

اور انقلابی نظریہ ہے اور وہ ممالک بھی تھے جن کا CATCH WORD جمہوریت ہے۔ آپ حضرات سمجھ گئے ہوں گے کہ میں کس بات کی طرف اشارہ کر رہا ہوں ـــــ کمیونزم انقلاب کی کامیابی سے قبل اس نظریئے کے پرچار اور اس نظریئے پر مبنی ایک نظام مملکت قائم کرنے کی جد و جہد میں کامریڈ مردوں اور کامریڈ عورتوں نے جو قربانیاں دی ہیں اور ایثار کی جو نظیریں قائم کی ہیں اور جابر و مستبد شخصی حکمرانوں کے تشدد و مظالم اور جور و ستم کو جس طرح برداشت کیا ہے، دل پر ہاتھ رکھ کر بتائیے کہ اس کی تہہ میں کونسا قوم پرستانہ جذبہ تھا؟ یہ دراصل ایک 'نظریہ' کی محبت کا جذبہ تھا جسے ایک اعتبار سے وطن و قوم اور شخصیت پرستی سے بالاتر محبت یعنی حُبِّ انسانیت (HUMAN ISM) سے بھی تعبیر کیا جائے تو غلط نہ ہوگا ـــــ آخر انسان میں اللہ تعالیٰ نے ترفع اور بلندی بھی رکھی ہے۔ لَقَدْ خَلَقْنَا الْاِنْسَانَ فِیْ اَحْسَنِ تَقْوِیْمٍ ۝ اس میں اپنی ذات، اپنی قوم اور اپنے ملک و وطن کی خیر خواہی، عظمت اور وقار سے بلند ہو کر پوری انسانیت کے خیر و صلاح کے لئے سوچنے اور اس کے لئے عملی جد و جہد کرنے کی صلاحیت بھی ودیعت کی گئی ہے۔ یہ اور بات ہے کہ وہ اللہ تعالیٰ کی معرفت اور اس ذات گرامی کے جمال و جلال اور کمال سے محجوب اور اس کی نازل کردہ ہدایت سے محروم ہو کر اپنے فکر و فہم سے حب انسانیت اور انسان دوستی کے نظریات وضع کرتا اور ان کو اختیار کرتا ہے تو اس طرح افراط و تفریط کے گورکھ دھندے میں الجھ کر اور ایک طلسم خیال و تخیل میں گرفتار ہو کر رہ جاتا ہے ـــــ بہرحال انسان دوستی اور اشتراکیت کے فلسفے میں قوم و وطن پرستی کے مقابلے میں ایک ترفع ہے یہ اور بات ہے کہ وہ ہمیں نظر آئے یا ہمارے ادراک کی اس تک رسائی نہ ہو ـــــ ہمارے اپنے نونہالوں اور نوجوانوں میں آپ کو بہت سے ایسے پرجوش اور حوصلہ مند نظر آجائیں گے جنہوں نے اس نظریئے کی خاطر اپنی مستقبل کی زندگی (CAREER) کو داؤ پر لگایا ہے۔ انہوں نے اپنی زندگیاں اس نظریئے کے پرچار اور اس کے لئے کام کرنے کی خاطر تباہ و برباد کرلی ہیں۔ ان کے باقاعدہ خفیہ CELL ہیں جہاں ان کو اس نظریئے کے اصول و مبادی کی باقاعدہ تعلیم اور اس کو پھیلانے کی تربیت دی جاتی ہے ـــــ غور کیجئے کہ آخر وہ کونسی چیز ہے جس نے ان کے اذہان و قلوب کو

اور ان پہ قابو پایا ہے اور کون سی بات ہے کہ جس نے ان کو POSSESS MOTI- VATE اور متحرک و فعال بنایا ہے۔ میں کہا کرتا ہوں کہ وہ کہیں چین اور روس سے امپورٹ تو نہیں کیئے گئے۔ وہ ہیں تو آخر ہمارے ہی بچے۔ ہمارے ہی چشم و چراغ۔ ٹھیک ہے یہ کہا جا سکتا ہے کہ ان کو مغالطہ لاحق ہوا ہے جس کی وجہ سے انہوں نے ایک غلط نظریئے کو قبول کر لیا۔ لیکن سوچنا یہ ہے کہ ان کا جذبۂ محرکہ کون سا ہے جس کے تحت انہوں نے اس کو اختیار کیا اور وہ اس کے لئے حسبِ استعداد و امکان سعی و جہد بھی کر رہے ہیں۔ یقیناً وہ بات یہی ہے کہ اس نظریئے کا اپنا حسن ہے، اس کی اپنی اپیل ہے۔ اس کا اپنا صغریٰ کبریٰ ہے جس نے ان نوجوانوں کے اذہان کو POSSESS کیا ہے۔ اس نے لوگوں کی IMAGINATION کو مفتوح (CAPTURE) کیا ہے ــــ تو یہ ہے ایک وہ محبت جو بسا اوقات انسان سے بڑے عظیم کارہائے نمایاں سرانجام دلا دیتی ہے اور وہ کام کرا لیتی ہے جو بادی النظر میں ان ہونے معلوم ہوتے ہیں۔ لیکن تاریخ شاہد ہے کہ انسان کے اندر سے قوت اور برداشت کا لاوا ابلتا ہے۔ یہ محبت خود غرضی کو ختم کر کے رکھ دیتی ہے۔ انسان ایک مقصد کے لئے ایک آئیڈیل کے لئے ایک آدرش کے لئے ایک نصب العین کے لئے تن من دھن سب کچھ قربان کر دیتا ہے۔ یہ سب کچھ بنیادی طور پر اسی محبّت کا غیر معمولی مظہر (PHENO- MENON) ہوتا ہے جو کسی خیال یا نظریہ یا یوں کہیے کہ انسان کی محبّت اس طرح گھر کر لیتی ہے کہ جس کے نتیجے میں ایسے کردار اور ایسی سیرت کی تعمیر ہوتی ہے ــــ میں عرض کر چکا ہوں کہ سیرت و کردار نام ہی ہے مضبوط قوت ارادی کا۔ تو کیا آپ کے خیال میں اس مضبوط قوتِ ارادی اور عزیمت کے بغیر دنیا میں کوئی انقلابی تحریک چل سکتی ہے؟ ایک نظام کو بیخ و بن سے اکھاڑ کر ایک دوسرا نظام قائم کرنا ہے ــــ انقلاب برپا کرنا ہے۔ تو جو لوگ اس کا داعیہ لے کر سامنے آئیں گے جو اس کا بیڑا اٹھائیں گے ان کے اندر تو بڑی زبردست قوّتِ ارادی کی ضرورت ہے۔ اور یہ قوّتِ ارادی پیدا ہوتی ہے اس انقلابی نظریے، اس انقلابی خیال اور اس انقلابی نظام کی محبت سے اور جب اس کا مزید تجزیہ کیا جائے گا تو معلوم ہوگا کہ اس کی تہہ میں دراصل انسان کی محبت، انسان کی فلاح، انسان کے ایک بہتر مستقبل کی خواہش مستور نظر آئے گی۔

یہ ہیں وہ چیزیں جن کی بنا پر واقعتاً سیرت و کردار کی تعمیر ہوتی اور ایک مضبوط قوتِ ارادی وجود میں آتی ہے۔

اب اس موقع پر دیکھئے کہ اس مقصد کے لئے اسلام کونسی بنیاد دیتا ہے۔ تعمیرِ سیرت و کردار کے لئے اسلام نے جو بنیاد دی ہے وہ یہی محبت کی بنیاد ہے۔ اسلام اولین اور اقدم ترین محبت، اللہ کی محبت کو قرار دیتا ہے ـــــ میں نے آج آغاز میں جن آیات کی تلاوت کی ہے ان میں سب سے پہلے میں نے سورۃ البقرہ کی آیت نمبر ۱۶۵ کا جو طویل آیت ہے، درمیانی حصہ پڑھا ہے۔ اس سے قبل کے الفاظ مبارکہ بھی سن لیجئے۔ فرمایا:

وَمِنَ النَّاسِ مَنْ يَّتَّخِذُ	"اور لوگوں میں ایسے بھی لوگ ہیں جو
مِنْ دُوْنِ اللّٰهِ اَنْدَادًا يُّحِبُّوْنَهُمْ	اللہ کے سوا دوسروں کو اس کا ہمسر
كَحُبِّ اللّٰهِ ۭ وَالَّذِيْنَ اٰمَنُوْٓا	اور مدِمقابل بناتے ہیں اور ان سے
اَشَدُّ حُبًّا لِّلّٰهِ ۭ	ایسی محبت کرتے ہیں جیسی اللہ کے

ساتھ ہونی چاہئے۔ حالانکہ ایمان رکھنے والے لوگ سب سے بڑھ کر اللہ کو محبوب رکھتے ہیں"

ـــــ قرآن حکیم کا اعجاز و ایجاز دیکھئے کہ نہایت اختصار لیکن انتہائی جامعیت کے ساتھ اس سارے فلسفے پر تبصرہ کر دیا ـــــ انسان میں محبت کا یہ جذبہ درحقیقت اللہ کی محبت کے لئے رکھا گیا تھا۔ اگر یہ جذبہ محبت کسی اور چیز سے منسلک اور وابستہ (ATTACH) ہو گیا ہے۔ دل کی سنگھاسن پر اللہ کی محبت کے بجائے کوئی اور محبت براجمان ہو گئی ہے تو یہ بے راہ روی (PERVERSION) ہے۔ وہ جذبۂ محبت غلط رُخ پر پڑ گیا ہے۔ از روئے قرآن حکیم انسان کی محبت کا اصل مرکز درحقیقت ذاتِ باری تعالیٰ ہے۔

آپ جانتے ہیں کہ بھوک انسان کے اندر ہے اور ظاہر بات ہے کہ ہر شخص کوشش کرتا ہے کہ بھوک مٹانے کے لئے اچھی سے اچھی غذا، صالح غذا، مفید غذا، طیب غذا حاصل کرے۔ لیکن یہ داعیہ اتنا شدید ہے کہ اگر انسان کو کسی وقت اچھی غذا نہیں ملتی تو اس مجبوری کی حالت میں یہ داعیہ انسان کو بُری غذا پر منہ مارنے پر آمادہ کر دیتا

ہے ۔ یہی وجہ ہے کہ فطرت انسانی کی اسی کمزوری کے پیشِ نظر خُلِقَ الْاِنْسَانُ ضَعِیْفًا قرآن مجید میں چھوٹ دی گئی ہے۔ اور اس کو رعایت دی گئی ہے کہ اضطرار اور مجبوری کی حالت میں حرام چیز کھائی جا سکتی ہے۔ یہ استثناء سورہ البقرہ کی آیت نمبر ۱۷۳ میں بایں الفاظ آیا ہے:

اِنَّمَا حَرَّمَ عَلَیْکُمُ الْمَیْتَةَ وَالدَّمَ وَلَحْمَ الْخِنْزِیْرِ وَمَا اُهِلَّ بِهٖ لِغَیْرِ اللّٰهِ ۚ فَمَنِ اضْطُرَّ غَیْرَ بَاغٍ وَّلَا عَادٍ فَلَآ اِثْمَ عَلَیْهِ ۭ اِنَّ اللّٰهَ غَفُوْرٌ رَّحِیْمٌ ۝

اور سورۂ المائدۃ کی آیت نمبر ۳ کے آخر میں اس استثناء کا ذکر بایں الفاظ فرمایا:

فَمَنِ اضْطُرَّ فِیْ مَخْمَصَةٍ غَیْرَ مُتَجَانِفٍ لِّاِثْمٍ فَاِنَّ اللّٰهَ غَفُوْرٌ رَّحِیْمٌ ۝

ایک شخص اضطرار کی حالت میں آگیا ہے کچھ اور کھانے کو نہیں ہے تو وہ حرام غذا میں بھی منہ مار سکتا ہے۔ اس کی اجازت ہے ۔ اسی طریقے فاطر فطرت نے محبت کا یہ جذبہ رکھا تو اس لئے تھا کہ مجھ سے محبت کرو!

وَمَا خَلَقْتُ الْجِنَّ وَالْاِنْسَ	"میں نے جنوں اور انسانوں کو پیدا
اِلَّا لِیَعْبُدُوْنِ	ہی اس لئے کیا ہے کہ وہ میری بندگی
	کریں ــــ"

اور بندگی کے متعلق میں کئی بار عرض کر چکا ہوں کہ اس کا جسد ظاہری اطاعت ہے ۔ اور روح باطنی محبت ہے ۔ عبادت اصل میں اس عبادت کو کہتے ہیں جو کسی ہستی کی محبت سے سرشار ہو کر کی جا رہی ہو۔ کسی ہستی کی عظمت کے جذبے اور احساس سے انسان ایک عجز اور تذلل کی کیفیت اپنے اندر پائے اور اس کے سامنے جھک جائے ۔ امام ابن قیم رحمۃ اللہ علیہ نے عبادت کی تعریف یوں کی ہے کہ: العبادۃ جمع اصلین غایۃ المحبۃ مع غایۃ الذل والخضوع ۔ یعنی عبادت میں دو بنیادی چیزیں لازماً شامل ہوں گی۔ ایک غایتِ محبت یعنی انتہائی شوق و رغبت اور دل کی آمادگی اور انبساط و نشاط کے ساتھ نہایت محبت اور اس کے ساتھ نہایت غایۃ التذلل والخضوع ــــ لیکن انسان سے جس طرح عبودیت میں شریک ٹھہرائے

اسی طرح وہ شرک فی المحبت میں مبتلا ہو گیا۔ اور طیب و محمود محبت کو چھوڑ کر نجس و ناپاک راہ پر گم ہو گیا۔

جیسا کہ میں نے عرض کیا کہ اصل میں انسان میں محبت کا یہ جذبہ رکھا گیا تھا محبت الٰہی کے لئے ـــــ لیکن ہوا یہ کہ:

وَمِنَ النَّاسِ مَنْ يَّتَّخِذُ مِنْ	"لوگوں میں وہ بھی ہیں جنہوں نے
دُوْنِ اللّٰهِ اَنْدَادًا يُّحِبُّوْنَهُمْ	اللہ کو چھوڑ کر کچھ اور ہستیوں کو
كَحُبِّ اللّٰهِ ؕ	(یا نظریات کو) اس کا ہمسر اور مدمقابل

ٹھہرا لیا ہے اور جو ان سے اس طرح محبت کرتے ہیں جیسی کہ اللہ سے کرنی چاہیئے"

ـــــ یہی تو وہ بات ہے کہ جس کی بناء پر علامہ اقبال مرحوم نے وطن کو اس دور کا سب سے بڑا بت کہا ہے۔ جب وطنیت کے نظریئے کو محبت کا اصل مرکز بنا دیا گیا تو درحقیقت وطن کو وہاں بٹھایا گیا جہاں اللہ کو ہونا چاہیئے تھا۔ چنانچہ علامہ مرحوم نے کیا خوب کہا ہے

اس دور میں مے اور ہے جام اور ہے جم اور	ساقی نے بنا کی روشِ لطف و ستم اور
مسلم نے بھی تعمیر کیا اپنا حرم اور	تہذیب کے آزر نے ترشوائے صنم اور

ان تازہ خداؤں میں بڑا سب سے وطن ہے
جو پیرہن اس کا ہے وہ مذہب کا کفن ہے

غیر اللہ کو محبت کے سنگھاسن پر بٹھانے اور لوگوں کی ذہنی پستی پر قرآن حکیم نے کتنا معجزانہ اور مختصر مگر جامع تبصرہ صرف ان چند الفاظ مبارکہ میں فرمایا ہے کہ ـــ وَمِنَ النَّاسِ مَنْ يَّتَّخِذُ مِنْ دُوْنِ اللّٰهِ اَنْدَادًا يُّحِبُّوْنَهُمْ كَحُبِّ اللّٰهِ ؕ ـــــ گویا انہیں طیب اور حلال غذا میسر نہیں آئی۔ اس لئے یہ غلیظ نجس اور گندی غذا پر منہ مار رہے ہیں ـــــ طیب و پاکیزہ چیز کیا ہے؟ وہ ہے اللہ تعالیٰ کی شدید ترین محبت ـــــ وَالَّذِيْنَ اٰمَنُوْٓا اَشَدُّ حُبًّا لِّلّٰهِ ؕ ایمان کا اصل تقاضا کیا ہے۔ ایمان کا اصل مظہر کیا ہے؟ اگر دل میں ایمان حقیقی ایمان کے طور پر ہو تو اس کا ظہور کس شکل میں ہوگا وہ شکل ہے اَشَدُّ حُبًّا لِّلّٰهِ کی شکل ـــــ تمام چیزوں کی محبت کے مقابلے میں شدید ترین محبت جب تک اللہ کی نہیں ہو جائے گی تو جان لیجئے ایمان حقیقی موجود نہیں ہے۔ اس موضوع پر ان شاء اللہ قدرے تفصیل سے گفتگو ہوگی۔

ہمارے مطالعہ قرآن کے منتخب نصاب میں جب ایمان کے مباحث آتے ہیں تو میں تفصیل سے عرض کیا کرتا ہوں کہ "ایمان" اصل میں نام ہے ایمان باللہ کا۔ ایمان بالنبوۃ یا ایمان بالرسالت اور ایمان بالمعاد یا ایمان بالآخرہ دراصل اسی "ایمان باللہ" کی فروع (Corollaries) ہیں۔ اللہ کی صفت ہدایت کا تکمیلی مظہر ہے! نبوت و رسالت ـــــ اور اللہ کی صفت عدل کا تکمیلی مظہر ہے! بعث بعد الموت اور آخرت۔ درحقیقت اللہ تعالیٰ ہی کی دو صفات کمال کے دو مظہر ہیں۔ پس اصل ایمان کیا ہوا! ایمان باللہ! باقی ایمانیات اس کی شرح و تفصیل ہیں۔ یہ سب کیا ہیں فقط اک نقطۂ ایمان کی تفسیریں۔ یہ بات پوری طرح ہمارے ذہن نشین ہو سکتی ہے اگر ایمان مجمل اور ایمان مفصل کو ہم سامنے رکھیں ـــــ ایمان مجمل میں کس کا ذکر ہے! اللہ کا "اٰمَنْتُ بِاللّٰهِ كَمَا هُوَ بِاَسْمَآئِهٖ وَصِفَاتِهٖ وَقَبِلْتُ جَمِيْعَ اَحْكَامِهٖ اِقْرَارٌ بِاللِّسَانِ وَتَصْدِيْقٌ بِالْقَلْبِ ـــــ مجمل ایمان پورا ہو گیا۔ ہاں جب اس ایمان کی تشریح و تفصیل درکار ہو تو ایمان مفصل کیا ہوگا! وہ ہوگا: "اٰمَنْتُ بِاللّٰهِ وَمَلٰٓئِكَتِهٖ وَكُتُبِهٖ وَرُسُلِهٖ وَالْيَوْمِ الْاٰخِرِ وَالْقَدْرِ خَيْرِهٖ وَشَرِّهٖ مِنَ اللّٰهِ تَعَالٰى وَالْبَعْثِ بَعْدَ الْمَوْتِ ـــــ بالکل اسی طرح سمجھئے کہ اصلاً جو محبت ہے جو سیرت و کردار کا CORNER STONE ہے وہ ہے محبت الٰہی ـــــ لیکن اسی محبت کے ساتھ کچھ اور محبتیں بھی جڑی ہوئی یعنی BRACKETED ہیں جو اسی محبت خداوندی کی شرح و تفصیل ہے۔ ان محبتوں میں نمبر ایک پر آئے گی ـــــ محبت رسول صلی اللہ علیہ وسلم[1] ـــــ میں نے یہاں پر جان بوجھ کر "عشق رسولؐ" استعمال نہیں کیا یہ قرآن کا لفظ نہیں ہے نہ حدیث کا لفظ ہے۔ عربی زبان میں 'عشق' ایک بڑی منفی کیفیت کا نام ہے۔ قرآن میں اسی لئے یہ لفظ بالکل استعمال نہیں ہوا اور کلام نبویؐ ظاہر بات ہے کہ قرآن مجید کا ہی ایک پرتو ہے۔ لہٰذا اس میں بھی لفظ کہیں نہیں آیا۔ قرآن و حدیث میں عربی کے جو الفاظ منتخب (CHOOSE) کئے

---

[1] حدیث رسول صلی اللہ علیہ وسلم: لَا يُؤْمِنُ اَحَدُكُمْ حَتّٰى اَكُوْنَ اَحَبَّ اِلَيْهِ مِنْ وَّلَدِهٖ وَوَالِدِهٖ وَالنَّاسِ اَجْمَعِيْنَ (مرتب)

گئے ہیں تو اس میں بڑی بڑی حکمتیں ہیں۔ یہ حاطب اللیل اور داستان گو ہوتے ہیں جو اُلل ٹپ اور رطب و یابس جمع کرتے ہیں۔ قرآن و حدیث کے الفاظ اللہ سبحانہٗ و تعالیٰ اور اس کے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم افصح العرب کے منتخب کردہ ہیں یہ ان کا انتخاب ہے کہ کون سا لفظ لینا ہے اور کون سا نہیں لینا[1] لفظ "حب" (محبت) لیا ہے عشق نہیں لیا۔ اس لئے لفظ عشق میں کسی کی شیفتگی میں سوکھنے کا مفہوم شامل ہے۔ جبکہ لفظ محبّت میں جوشِ عمل و اقدام اور پروانہ وار شوق جان نثاری و قربانی کے مفاہیم شامل ہیں۔ لہٰذا محبّت جوش و خروش اور جان نثاری کا ایک مظہر ہے جبکہ عشق کسی کی محبّت میں سوکھنے دل گرفتہ ہونے اور عمل سے تہی دست ہونے کا مظہر ہے۔ تو انسانی کردار کو سکھانا اور بے عمل بنانا مقصود نہیں ہے بلکہ اس کو فعّال بنانا اور رو بہ عمل لانا درکار ہے۔ لیکن فارسی فلسفۂ محبت کا جو ذہنی پس منظر تھا ـــــ اس میں عشق ہی کی کیفیات مطلوب و مقصود تھیں۔ لہٰذا ان کی شاعری اور انشا پردازی میں لفظ عشق نے جگہ پائی اور وہیں سے یہ لفظ اردو ادب میں بھی آگیا اور ہمارے یہاں 'عشقِ رسولؐ' رواج پا گیا۔ حالانکہ غور طلب بات یہ ہے کہ الفاظ و اصطلاحات کے معاملہ میں اگر ہم اللہ اور اس کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم کے انتخاب کو چھوڑ کر اور نظر انداز کر کے دوسرے الفاظ و اصطلاحات استعمال کرتے ہیں تو یہ بھی ایک محرومی ہے۔ بادی النظر میں محسوس نہیں ہوتا کہ کہ اس طرح کیا فرق واقع ہوتا ہے لیکن اس طرزِ عمل کے نتائج بہت دور رس ہوتے ہیں۔ یہ تو درمیان میں ایک ضمنی گفتگو آگئی۔ اب آیئے اصل مسئلہ کیطرف تعمیر کردار اور سیرت سازی کے لئے از روئے قرآن جو ANCHOR اور قابل اعتماد سہارا ہے، وہ دراصل **محبّت الٰہی** ہے۔ یہی عروۃ الوثقیٰ ہے یاد کیجئے کہ آیت الکرسی کے فوراً بعد والی آیت کے آخری ٹکڑے میں کیا بات فرمائی

---

[1] اسی طرح لفظ "مذہب" قرآن و حدیث میں استعمال نہیں ہوا بلکہ "دین" استعمال ہوا ہے جو میں جامعیت اور ہمہ گیری ہے۔ لفظ مذہب میں محدودیت ہے اور یہ لفظ انسان کے محض شخصی معاملات سے بحث کرتا ہے (مرتب)

گئی ہے وہاں فرمایا گیا: فَمَنْ يَّكْفُرْ بِالطَّاغُوْتِ وَيُؤْمِنْ بِاللّٰهِ فَقَدِ اسْتَمْسَكَ بِالْعُرْوَةِ الْوُثْقٰى ق لَا انْفِصَامَ لَهَا ط وَاللّٰهُ سَمِيْعٌ عَلِيْمٌ ٥ "جو طاغوت کا انکار کرے ۔ اللہ کے سوا جو دوسری محبتیں ہیں ان سب کو مسترد کر دے ۔ اور جس کی محبت ایمان لانے کی بدولت ذات باری پر مرتکز ہو جائے ۔ پس اس نے تو اس اصل اور مضبوط سہارے کو تھام لیا ہے ۔ وہ مضبوط کڑا اب اس کے ہاتھ میں آگیا ہے ۔ جس کے ٹوٹنے کا کبھی کوئی امکان نہیں ۔ یہ سہارا چھوٹے گا نہیں ۔ یہ اعتماد انسان کو کبھی دھوکہ نہیں دے گا ۔ انسان اس کے ساتھ جُڑ گیا ہے ۔ تو وہ گویا خود اپنی ذات میں ایک چٹان (ROCK) بن گیا ۔ اس چٹان کی بنیاد (ROCK FOUNDATION) ہے حُبِّ الٰہی، محبّتِ خداوندی ——— البتّہ جیسے کہ میں نے عرض کیا، اسی کے ساتھ آجائے گی محبّتِ رسول صلّی اللہ علیہ وسلّم

اس ضمن میں ایک اور بات بھی غور طلب ہے اس کو بھی آپ کے غور و فکر کے لئے بیان کئے دیتا ہوں ۔ وہ یہ کہ بعض اعتبارات اور بعض لوگوں کی ذہنی سطحوں میں جو فرق و تفاوت ہے اور یہ بات اظہر من الشمس ہے ۔ تمام لوگ ایک فکری سطح پر آپ کو نظر نہیں آئیں گے ۔ اکثریت ایسے ہی لوگوں کی ہے جن کی ذہنی سطح بلند نہیں ہوتی یا جن کے لئے یہ محاورہ ہے کہ " لاتوں کے بھوت باتوں سے نہیں مانتے ۔ ان کے لئے کچھ اور درکار ہوتا ہے ۔ جیسے ڈاکٹر اقبال مرحوم نے کہا ؎

پھول کی پتی سے کٹ سکتا ہے ہیرے کا جگر مردِ ناداں پر کلامِ نرم و نازک بے اثر !!!

تو اس اعتبار سے لوگوں کے فہم و عقل میں فرق و تفاوت ہے ۔ سب ایک جیسے تو نہیں ۔ جس بات کو عام طور پر شعوری سطح (LEVEL OF CONSCIOUSNESS) سے تعبیر کیا جاتا ہے ۔ لہٰذا جن لوگوں میں یہ کیفیت زیادہ ہو کہ ع خوگرِ پیکرِ محسوس تھی انسان کی نظر ——— ان کے اعتبار سے محبّتِ رسول تعمیرِ کردار اور سیرت میں زیادہ مؤثر ہو جاتی ہے بہ نسبت محبّتِ الٰہی کے ——— اس لئے کہ وہ ان کی ذہنی سطح سے قریب تر ہے ۔ ایک انسان کی شخصیت کا ہیولا اور ایک انسانی کردار ان کے سامنے آتا ہے ۔ جبکہ اللہ تعالیٰ کی ذات کے ساتھ اگر کسی نے کوئی تصوّر وابستہ

کیا ہے تو وہ شرک کے دائرے میں لازماً داخل ہو گیا۔ اللہ تبارک و تعالیٰ کا کوئی بھی تصوّر اگر حاشیۂ خیال میں آ گیا تو توحید کا دامن ہاتھ سے چھوٹ گیا۔ ظاہر بات ہے کہ تصوّر تو ایک ذہنی تخلیق ہے۔ یہ اللہ سبحانہٗ نہیں بلکہ کوئی اور معبود ہے۔ جس کو انسانی ذہن نے تراشا ہے۔ بقول شاعر ؎

می تراشد فکرِ ما ہر دم خدا و ندِ دگر رُست از یک بند تا افتاد در بندِ دگر

ذاتِ باری تعالیٰ کا ادراک ماوریٰ ثُمَّ ماوریٰ ثُمَّ ماوریٰ ہے۔ تصوّر و تخیّل سے لات و منات تراشے جا سکتے ہیں اللہ جلّ سبحانہٗ کا تخیّل و تصوّر ناممکنات میں سے ہے۔ اللہ تعالیٰ کی ذات کے ادراک سے عاجز ہو جانا ہی دراصل ادراک ہے۔ جیسا کہ فرمایا حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے: اَلْعَجْزُ عَنْ دَرَکِ الذَّاتِ اِدْرَاکٌ اور اس پر گرہ لگائی حضرت علی مرتضیٰ رضی اللہ عنہ نے: وَ الْبَحْثُ عَنْ کُنْہِ الذَّاتِ اِشْرَاکٌ ——— وہاں تو تجرّدِ محض ہے اور کامل عجز اور درماندگی ہے چونکہ وہاں تک رسائی ممکن نہیں لہٰذا بعض لوگوں بلکہ اکثریت کے لیے واقعہ یہ ہے کہ تعمیرِ سیرت کے اعتبار سے محبّتِ رسولؐ میں تاثیر زیادہ ہے۔ البتہ یہ بات ہر آن مستحضر اور یہ احتیاط ہر لحظہ ملحوظ رکھنے کی ہے کہ اصل محبت، محبّتِ الٰہی ہے۔ رسولؐ کی محبّت اسؐ کی محبّت کے تابع اور اسؐ سے وابستہ (BRACKTED) ہے لیکن یہ محبّت جیسا کہ مَیں نے ابھی عرض کیا کثیر انسانوں کے لیے یہ محبت بہت زیادہ مؤثر ہے انسان کی تعمیرِ کردار کے لیے قوم، وطن اور شخصیتوں کی محبتوں کی جگہ اسلام اللہ اور رسولؐ کی محبّت پیش کرتا ہے۔ مَیں نے عرض کیا تھا کہ سیرت سازی کے لیے ایک اور مؤثر عامل (FACTOR) ہے کسی نظریے اور آئیڈیولیجی کی محبّت — انسان کی محبّت اور اس محبّت سے سرشار ہو کر دنیا میں ایک عادلانہ و منصفانہ نظام قائم کرنے کی جدوجہد — اسلام نے اس کا نعم البدل بھی بھرپور پیش کیا اور اس کا نام رکھا جہاد فی سبیل اللہ کی محبّت — اُس مبنی بر قسط اور عادلانہ نظام (اسلام) کو قائم کرنے کا جوش و ولولہ اور محبّت — جو اللہ کا عطا کردہ الدّین الحق (نظامِ حیات) ہے۔ اِنَّ الدِّیْنَ عِنْدَ اللّٰہِ الْاِسْلَامُ — اسلام صرف للہ ہمارے مذہبی تصورات اور اعتقادات پر مبنی نہیں ہے بلکہ یہ ایک مکمل ضابطہ زندگی اور نظامِ حیات ہے جو اجتماعی طور پر پوری نوعِ انسانی کے لیے قسط اور عدل و انصاف

کا پورا اہتمام کرتا ہے۔ قرآنِ حکیم انبیاء و رسل کی بعثت کا مقصد اسی قسط و عدل کے نظام کو قائم کرنا بھی قرار دیتا ہے جیسے سورۃ الحدید کی آیت نمبر ۲۵ میں فرمایا گیا۔
لَقَدْ اَرْسَلْنَا رُسُلَنَا بِالْبَيِّنٰتِ وَاَنْزَلْنَا مَعَهُمُ الْكِتٰبَ وَالْمِيْزَانَ لِيَقُوْمَ النَّاسُ بِالْقِسْطِ ج ” یقیناً ہم نے اپنے رسولوں کو بھیجا روشن نشانیاں (معجزات) کے ساتھ اور اتاری ان کے ساتھ کتاب (دستورِ حیات) اور المیزان (نظام وضوابطِ حیات) تاکہ وہ اس کو قائم و نافذ کردیں نوعِ انسانی کو قسط اور عدل و انصاف پر کاربند رہنے کے لیے “۔ معاذ اللہ رسولوں کی بعثت، انزالِ کتب اور میزان (نظامِ حیات) اللہ تعالیٰ کی کوئی کھیل اور مشغلہ (HOBBY) تو نہیں تھا۔ ثم معاذ اللہ۔ اس کل نے اپنی کتابیں (توریت۔ زبور۔ انجیل اور قرآن) اس لیے تو نازل نہیں فرمائی تھیں کہ ان کو محض متبرک اشلوک سمجھ کر پڑھا جائے اور مقدس کتاب سمجھ کر بڑھیا سے بڑھیا کپڑوں کے غلافوں میں لپیٹ کر طاقوں میں رکھ دیا جائے۔ اور ”میزان“ یعنی دین الحق، یعنی شریعت، مکمل نظامِ حیات اس لیے تو نہیں اتارا کہ ہم اس کی مدح سرائی کرلیا کریں، اس کی شان میں قصیدے پڑھ لیا کریں۔ اس کی تقدیس کے لیے کچھ ڈنڈوت کرلیا کریں۔ اس کی غایت تو یہ ہے کہ: لِيَقُوْمَ النَّاسُ بِالْقِسْطِ۔ لوگوں کو کاربند رکھنے کے لیے اس میزان کو نصب کیا جائے اور دین (نظامِ حیات) کو قائم کیا جائے۔ اَنْ اَقِيْمُوا الدِّيْنَ۔ اب عدل و انصاف اور قسط کے اس نظام اور میزان کو قائم اور نصب کرنے کے لیے جدوجہد درکار ہے۔ محنت درکار ہے۔ جو انبیاء و رسل کا منصب ہے۔ ان کو اور ان کے اصحاب و حوارین کو۔ رائج شدہ ظالمانہ نظام میں جن لوگوں نے اپنے جائز حق سے زیادہ پر قبضہ کیا ہوا ہے ان سے اس دین اور میزان کے قیام و نصب کے لیے ٹکرانا ہوگا۔ ان سے تصادم کرنا ہوگا اور ان سے نبرد آزما ہونے اور ان کی سرکوبی کرنے کے لیے اللہ نے لوہا اتارا ہے۔ چنانچہ سورۂ حدید کی اسی آیت میں آگے فرمایا گیا: وَاَنْزَلْنَا الْحَدِيْدَ فِيْهِ بَاْسٌ شَدِيْدٌ وَّمَنَافِعُ لِلنَّاسِ ” اور ہم نے لوہا بھی اتارا ہے جس میں جنگ کی شدید ترین صلاحیت ہے اور لوگوں کے لیے تمدنی ضروریات میں دوسرے فائدے بھی ہیں “۔ یعنی اسی لوہے سے تلوار اور اسلحۂ جنگ تیار ہوتا ہے تو ان لوگوں کی تمدنی ضروریات اور

فائدے کے لیے بھی اسی لوہے سے دوسری بہت سی چیزیں بھی تیار ہوتی ہیں۔ لیکن یہ چیزیں لوہے کے BY PRODUCTS ہیں۔ لوہے کی اصلی قوت جو ہے وہ اسلحۂ جنگ ہے۔ اس ارسال رسلؑ۔ انزال کتب، میزان اور حدید کی غرض و غایت اسی آیت کے آخر میں بایں الفاظ بیان کی گئی: وَلِيَعْلَمَ اللّٰهُ مَنْ يَّنْصُرُهٗ وَرُسُلَهٗ بِالْغَيْبِ ؕ اِنَّ اللّٰهَ قَوِيٌّ عَزِيْزٌ ۝ یہ اس لیے کیا گیا ہے کہ اللہ دیکھ لے کہ کون ہیں اس لوہے کے وہ وفادار بندے جو اللہ سے غیب میں رہتے ہوئے اس لوہے کی طاقت کو ہاتھ میں لے کر اللہ اور اس کے رسولوں کی مدد کرتے ہیں یعنی ان کے لائے ہوئے دین اور میزان کو قائم اور نصب کرتے ہیں۔'

ہمارے دین نے تعمیر کردار اور سیرت سازی کے لیے اللہ، اس کے رسول اور جہاد کی یہ انتہائی قوی اور متحرک یعنی DYNAMIC محبت عطا فرمائی ہے۔ اس لفظ DYNAMIC پر ذرا غور کیجئے گا۔ میں نے اسی لیے عرض کیا تھا کہ لفظ "عشق" جس میں فراق و ہجر میں سوکھنے اور فنا فی الشیخ یا فنا فی اللہ کے منفی مفاہیم و تصورات شامل ہیں، قرآن و حدیث میں کہیں استعمال نہیں کیا گیا۔ اس کی جگہ محبت اور بقا باللہ کا تصور پیش کیا گیا ہے۔ اس حقیقت کو علامہ اقبال مرحوم نے دو اشعار میں بڑی خوبصورتی سے ادا کیا ہے۔ یہ اشعار ان کے عظیم ترین اشعار میں سے ہیں۔ فرماتے ہیں ؎

یا وسعتِ افلاک میں تکبیر مسلسل — یا خاک کی آغوش میں تسبیح و مناجات
وہ مسلکِ مردانِ خود آگاہ خدا مست — یہ مذہبِ ملّا و جمادات و نباتات

ایک تصوف وہ ہے جو جمود پیدا کرتا ہے، جو بے عملی پیدا کرتا ہے، جو معاشرے سے کنارہ کشی کا سبق دیتا ہے۔ ایک تصوف وہ ہے جو انسان کو میدانِ عمل میں لاتا ہے۔ جہد و کوشش کا درس دیتا ہے۔ تصادم و قتال کی دعوت دیتا ہے۔ نیکی کا ایک تصور وہ ہے جو راہب خانوں اور بدھ مت کے منڈلوں میں نظر آئے گا اور نیکی کا ایک تصور وہ ہے جس کے مطابق نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے صحابہ کرام رضوان اللہ علیہم اجمعین کی تربیت دی کہ هُمْ رُهْبَانٌ فِي اللَّيْلِ وَفُرْسَانٌ فِي النَّهَارِ تھے۔ وہ رات کے راہب اور دن کے شہسوار تھے۔ ان کی شان یہ تھی کہ وَالصّٰبِرِيْنَ فِي الْبَاْسَآءِ وَالضَّرَّآءِ وَحِيْنَ الْبَاْسِ ۔ جناب محمد صلی اللہ علیہ وسلم کا تصوف تو یہ ہے۔ اس تصوف کا نقشہ کل ڈیڑھ سو

سال قبل ہماری سرزمین نے بھی دیکھا ہے اور بھرپور دیکھا ہے ـــ یہ کوئی ہزار ڈیڑھ ہزار سال کی بات نہیں۔ دعائیں دیجئے ان مردانِ خداگاہ اور خدامست کو جنہوں نے یہ نقشہ آج سے ڈیڑھ سو سال قبل اسی برِصغیر میں دکھا دیا تھا۔ مراد ہیں سید احمد شہیدؒ، شاہ اسمٰعیل شہید اور ان کے ساتھی مجاہدین۔ رحمہم اللہ تعالیٰ علیہم اجمعین ـــ انہوں نے سلوکِ محمدی علیٰ صاحبہا الصلوٰۃ والسلام کا نقشہ پھر ایک بارِ دنیا کو دکھا دیا تھا ـــ اَللّٰھُمَّ نَوِّرْ قُبُوْرَھُمْ وَ مَرَاقِدَھُمْ وَ اَدْخِلْھُمْ فِی الْجَنَّۃِ الْفِرْدَوْس ـــ

یہ ہے محبت کا وہ دوسرا درجہ جو اسلام نے دیا ہے اور جو انسان میں جوشِ عمل کی بجلیاں پیدا کرنے کا باعث بنتا ہے۔ یہ انقلابی جذبہ ہے۔ متحرک اور DYNAMIC جذبہ ہے ـــ اور یہ ہے جہاد فی سبیل اللہ کی محبت ـــ اب دیکھئے کہ کس خوبصورتی سے سورہ توبہ کی آیت نمبر ۲۴ میں، جس کی ابھی میں نے آغاز میں تلاوت کی تھی، ان محبتوں کو جمع کیا گیا ہے ـــ اور تینوں محبتوں یعنی (۱) اللہ تعالیٰ کی محبت (۲) اس کے رسول کی محبت اور (۳) جہاد فی سبیل اللہ کی محبت کو BRACKETED کیا گیا ہے۔ فرمایا: قُلْ اِنْ کَانَ اٰبَآؤُکُمْ وَ اَبْنَآؤُکُمْ وَ اِخْوَانُکُمْ وَ اَزْوَاجُکُمْ وَ عَشِیْرَتُکُمْ وَ اَمْوَالُ نِ اقْتَرَفْتُمُوْھَا وَ تِجَارَۃٌ تَخْشَوْنَ کَسَادَھَا وَ مَسٰکِنُ تَرْضَوْنَھَآ اَحَبَّ اِلَیْکُمْ مِّنَ اللّٰہِ وَ رَسُوْلِہٖ وَ جِھَادٍ فِیْ سَبِیْلِہٖ فَتَرَبَّصُوْا حَتّٰی یَاْتِیَ اللّٰہُ بِاَمْرِہٖ ط وَ اللّٰہُ لَا یَھْدِی الْقَوْمَ الْفٰسِقِیْنَ ہ اس آیتِ مبارکہ میں نبی اکرمؐ کو دعوت دی گئی ہے کہ آپؐ اہلِ ایمان سے کہیں کہ وہ اپنی محبتوں کا جائزہ لے لیں۔ چونکہ زندگی کا سارا کھیل تو محبت ہی کا ہے جس میں علائقِ دنیا اور مال و زر کی محبت بڑی قوی محبت ہے۔

زر کی محبت کے متعلق غالباً نظیر اکبرآبادی کا بڑا پیارا شعر ہے کہ ؎

زر کی محبت جو تجھے تڑپائے گی بابا　　در در کی ٹھوکریں کھلوائے گی بابا!

انسانیت اس زر کی محبت کی خاطر ٹھوکریں کھاتی نظر آرہی ہے۔ انسان

باطل کے آگے سرنگوں ہے۔ اس زر کی محبت میں اپنے شرفِ آدمیت، اپنے وقار، اپنی خودی اور اپنی عزت کا سودا کرنے والے لوگ دنیا میں ہر سُو نظر آ رہے ہیں۔ اپنے ضمیر کو کچلنے اور اس کا گلہ گھونٹ دینے والے لوگ چہار سُو پھیلے ہُوئے ہیں۔ تو سارا کھیل "محبت" ہی کا ہے۔ مَیں نے اپنی تمہید میں مال و زر اور شہرت و وجاہت اور شہوات کی محبتوں کا تو ذکر ہی نہیں کیا تھا جو انسان کی ہوائے نفس سے متعلق ہیں اور جو انتہائی گھٹیا اور پست و ادنیٰ محبتیں ہیں۔ مَیں تو ان سے بالاتر محبتوں سے چلا تھا۔ وطن و قوم کی محبت ان نفسانی محبتوں سے یقیناً بلند و برتر محبت ہے، اس کو تسلیم کرنا پڑے گا۔ جیسے کہ مَیں نے کئی مرتبہ عرض کیا ہے کہ فرقِ مراتب ہے ع نہ ہر زن زن است، نہ ہر مرد مرد۔ نہ اہلِ ایمان سب برابر کے تھے نہ اہلِ کفر سب برابر کے تھے۔ اہلِ کفر میں ابو طالب بھی تھے اور اہلِ کفر میں ابو لہب بھی تھا۔ کفر مشترک ہے مگر سیرت و کردار کا فرق صاف نمایاں۔ اہلِ ایمان میں ابو بکر صدیق، عمر فاروق، عثمانِ ذوالنورین، علی حیدر اور دیگر اصحاب عشرہ مبشرہ بھی تھے، اصحابِ بدر بھی اصحابِ بیعتِ رضوان بھی تھے اور عام صحابہ کرام بھی تھے۔ رضوان اللہ تعالیٰ علیہم اجمعین۔ ع گر حفظِ مراتب نہ کنی زندیقی۔

تو محبتوں کے معاملے میں ع پستی کا کوئی حد سے گزرنا دیکھے! کے مصداق اگر انتہائی پستی والی محبت دیکھنی ہو تو وہ ہے "محبتِ ذات"۔ اپنی ہی حریمِ ذات کا طواف، اور اپنے ہی حریمِ ناز پر پروانہ وار نثاری۔ اپنی دولت، اپنا مال و زر، اپنی شہرت و وجاہت، اپنی عزت و وقار، اپنا نام و نمود۔ اپنی خواہشات، اپنا عیش و آرام، اپنی آرائش و زیبائش۔ ان ہی محبتوں کے ہم سب اسیر ہیں اور اسی چکر میں پھنسے ہوئے ہیں۔ الّا ماشاء اللہ شاذ ہی بلکہ آٹے میں نمک کی نسبت سے بھی قلیل ایسے خوش نصیب اور اللہ والے لوگ ہوں گے جو اس سطح سے بلند ہوں۔ اللہ کی، اس کے رسول کی اور اس کی راہ میں جد و جہد اور محنت و کوشش، ایثار و قربانی تو بہت اُونچی بات ہے۔ مَیں نے اس نفسانی محبت سے بالاتر جو محبتیں گنوائیں، یعنی وطن و قوم کی محبت اور کسی نظریے اور نصب العین کی محبت، تو ہماری عظیم اکثریت کی یہاں تک بھی رسائی نہیں ہے جبکہ ان محبتوں پر بھی ایک سیرت تعمیر ہو جاتی ہے اور ایک وطن پرستانہ کردار، ایک قوم پرستانہ کردار اور ایک انقلابی اور مجاہدانہ

کردار وجود میں آجاتا ہے۔ جس کے نقشے ہمیں نظر آتے ہیں۔ خلا تو ہمارے یہاں ہے کہ یہاں کوئی محبت ہی نہیں۔ سوائے اپنی محبت کے۔ اپنی ہی ذات کا کعبہ ہے جس کا ہم طواف کر رہے ہیں۔ اپنے ہی مفادات ہم کو سب سے زیادہ عزیز اور محبوب ہیں اور ہماری ساری تگ و دو اور دوڑ دھوپ اپنی ذات ہی کے گرد گھوم رہی ہے الّا ماشاء اللہ۔

اب آپ دیکھئے کہ قرآن مجید میں کس طرح ان محبتوں کا جائزہ لینے کا ہمیں ایک آیت میں سبق دیا گیا۔ سورہ توبہ کی آیت نمبر ۲۴ جس میں اس جائزہ کے لیے ہمارے سامنے ایک کسوٹی اور ایک معیار رکھا گیا ہے، میں آپ کو سنا چکا ہوں۔ اب اس کی ترجمانی اور شرح و تفصیل پیش کرتا ہوں۔ فرمایا: "اے نبی کہہ دیجئے کہ اے ایمان لانے والو! اپنی محبتوں کا جائزہ لے لو اور اپنے باطن میں ایک ترازو نصب کرو۔ ایک پلڑے میں آٹھ محبتیں ڈالو (۱) باپوں کی محبت (۲) بیٹوں کی محبت (۳) بھائیوں کی محبت (۴) بیویوں کی محبت (ماں۔ بیٹی۔ بہن اور شوہر کی محبت انہی محبتوں کے تابع ہیں) (۵) رشتہ داروں اور اعزہ و اقارب کی محبت — یہ وہ پانچ محبتیں ہیں جو علائق دنیوی سے متعلق ہیں — (۶) اُس مال کی محبت جو بڑے چاؤ سے جمع کیا ہے (۷) اُس کاروبار کی محبت جو بڑی محنت سے تم نے جمائے ہیں جس میں تمہارا خون پسینہ شامل ہے جس کے متعلق تم گھبراتے رہتے ہو کہ کہیں ماندہ نہ پڑ جائے کہیں گھاٹا نہ ہو جائے کہیں کساد بازاری نہ آجائے۔ اور (۸) اُن مکانوں کی محبت جو تم نے بڑے ارمانوں سے بنائے ہیں اور ان کی آرائش و زیبائش میں پانی کی طرح پیسہ لگایا ہے یہ تین محبتیں اسباب و سامان دنیوی سے تعلق رکھتی ہیں — یہ کل آٹھ محبتیں ہوئیں۔ اب سب کو ترازو کے ایک پلڑے میں ڈالو۔ اور دوسرے پلڑے میں تین محبتیں (۱) اللہ کی محبت (۲) اس کے رسولؐ کی محبت اور (۳) اس کی راہ میں جہاد کی محبت جو بڑی DYNAMIC محبت ہے، ڈالو — اب دیکھو کہ کونسا پلڑا جھکا۔ اگر علائق اور ساز و سامانِ دنیوی کی آٹھ محبتیں تمہارے قلب پر زیادہ مسلط ہیں ان تین محبتوں یعنی اللہ۔ رسول اور جہاد کی محبتوں سے — اور پہلا پلڑا جھک گیا تو جاؤ دفع ہو جاؤ — "فَتَرَبَّصُوا حَتّٰى يَاْتِيَ اللّٰهُ بِاَمْرِهٖ ؕ وَاللّٰهُ

لَا یَھْدِی الْقَوْمَ الْفٰسِقِیْنَ ۝ "پس جاؤ اور گومگو اور انتظار کی حالت میں مبتلا رہو یہاں تک کہ اللہ اپنا فیصلہ تمہارے سامنے لے آئے اور اللہ ایسے فاسقوں کو ہدایت نہیں دیتا۔"

یہ ہیں ایک مسلم و مومن بندے کی تعمیر سیرت و کردار کی مثبت اساسات اللہ کی محبت، رسول کی محبت اور جہاد کی DYNAMIC محبت۔ یہ تین محبتیں ہیں تو یوں سمجھیئے کہ تعمیر سیرت کا جو CORNER STONE یعنی جڑ اور بنیاد ہے وہ اذہان و قلوب میں موجود ہے لے (جاری ہے)

نوٹ: دوسرے منفی جذبے "خوف" والا حصہ ان شاء اللہ آئندہ شمارے میں پیش کیا جائے گا۔ ضخامت کی کمی سے مجبوراً یہ حصہ روک لیا گیا ہے۔ (ادارہ)

لے : فارسی اور اردو شاعری میں عام طور پر اس محبت کے لیے "عشق" کا لفظ استعمال ہوتا ہے۔ لہٰذا دیکھئے کہ ہمارے دو عارفین نے محبتِ خداوندی کو کس طرح تعبیر کیا ہے۔

مولانا رومی فرماتے ہیں:

شاد باد اے عشقِ خوش سودائے ما — اے طبیبِ جملہ علتہائے ما!

اور علامہ اقبال فرماتے ہیں:

عقل و دل و نگاہ کا مرشد اولیں ہے عشق — عشق نہ ہو تو شرع و دیں بتکدۂ تصورات

اور ے بجھی عشق کی آگ اندھیر ہے۔ — مسلماں نہیں خاک کا ڈھیر ہے

اور ے مردِ خدا کا عمل عشق سے صاحب فروغ — عشق ہے اصل حیات موت ہے اس پر حرام

عشق دمِ جبرئیل، عشق دلِ مصطفیٰ — عشق خدا کا رسول، عشق خدا کا کلام!

عشق فقیہہ حرم، عشق امیرِ جنود — عشق ہے ابن السبیل، اس کے ہزاروں مقام

عشق کے مضراب سے نغمۂ تارِ حیات — عشق سے نورِ حیات، عشق سے نارِ حیات

اور ے صدقِ خلیل بھی ہے عشق صبرِ حسین بھی ہے عشق — معرکۂ وجود میں بدر و حنین بھی ہے عشق

(مرتب)

ڈاکٹر اسرار احمد

کی تازہ شائع شدہ تالیف

اسلام اور پاکستان

تاریخی، سیاسی، علمی اور ثقافتی پس منظر

کی

تقدیم

از قلم: ڈاکٹر اسرار احمد

پیشِ نظر مجموعہ میری چند تحریروں پر مشتمل ہے جو ۱۹۶۷-۶۸ء کے دوران ماہنامہ "میثاق"، لاہور میں "تذکرہ وتبصرہ" کے زیرِ عنوان شائع ہوئیں تھی۔

ان میں میں نے ایک جانب تحریکِ پاکستان کے تاریخی پس منظر کا جائزہ لیا ہے اور دوسری جانب موجودہ پاک و ہند مسلم معاشرے میں مذہبی فکر کے جو مختلف حلقے پائے جاتے ہیں ان کے پس منظر کو واضح کرنے کی کوشش کی ہے ——

لیکن میرے نزدیک ان کا اہم ترین گوشہ وہ ہے جس سے اُن عظیم غلطیوں کا سراغ ملتا ہے جن کے باعث ہم اس حد درجہ افسوسناک صورتِ حال سے دوچار ہیں کہ جو ملک اسلام کے نام پر حاصل کیا گیا تھا اُس میں ثلث صدی سے زائد عرصہ

گذر جانے کے باوجود اسلامی نظام کے قیام کے سلسلے میں تاحال کوئی پیش رفت نہیں ہو سکی۔
اس ضمن میں لامحالہ بعض شخصیتوں اور جماعتوں کے کردار پر تنقید بھی آئی ہے جسکی زیادہ شدت کا ظہور فطری طور پر ان ہی کے حق میں ہوا ہے جن سے احیاءِ اسلام اور اقامتِ دین کے ضمن میں سب سے زیادہ امیدیں وابستہ تھیں —— تاہم خدا گواہ ہے کہ انکی توہین و تنقیص نہ اس وقت مقصود تھی جب یہ مضامین لکھے گئے تھے، نہ آج مطلوب ہے، بلکہ اصل معاملہ تب بھی وہی تھا اور اب بھی وہی ہے جو غالب کے اس شعر میں بیان ہوا کہ ؎

رکھیو غالبؔ مجھے اس تلخ نوائی پہ معاف　　آج پھر درد مرے دل میں سوا ہوتا ہے!

پیش نظر مجموعے کی اشاعت سے قبل جب میں نے اپنی آج سے پندرہ سولہ سال قبل کی ان تحریروں کا جائزہ تنقیدی نگاہ سے لیا تو الحمد للہ کہ اس امر کا تو پورا اطمینان ہوا کہ ان میں حالات و واقعات کا جو تجزیہ سامنے آیا ہے وہ صدفی صد درست ہے۔ البتہ یہ احساس ضرور ہوا کہ ان میں بعض مقامات پر طرز تعبیر اور انداز تحریر میں تلخی شامل ہو گئی ہے۔ جو نہ ہوتی تو بہتر تھا۔ گویا اگر میں ان موضوعات پر آج قلم اٹھاؤں تو تجزیہ تو بنیادی طور پر وہی ہو گا لیکن انداز اتنا تلخ نہ ہو گا۔

لیکن اب ان تحریروں سے اس تلخی کو نکالنا نہ ممکن ہے نہ مناسب —— ممکن اس لئے نہیں وہ ان کے پورے تانے بانے میں بُنی ہوئی ہے، اور مناسب یا درست اس لئے نہیں کہ پرانی تحریروں کو اگر پرانی تحریروں ہی کی حیثیت سے شائع کیا جائے تو اُن میں ردّ و بدل تصنیف و تالیف کے اصولوں کے خلاف ہے —— اگر صاحب تحریر کی رائے میں بعد میں کوئی تبدیلی واقع ہوئی ہو تو اسے اضافی حواشی کی صورت میں درج ہونا چاہیے یا علیحدہ وضاحت کی شکل میں!

اس ضمن میں مولانا سیّد ابوالاعلیٰ مودودی مرحوم و مغفور کا معاملہ خصوصی اہمیت کا حامل ہے۔ اس لئے کہ اُن کے ساتھ میرے ذہنی و قلبی تعلق میں اتار چڑھاؤ کی کیفیت شدّت کے ساتھ واقع ہوئی ہے۔ چنانچہ اس کا آغاز شدید ذہنی و فکری مرعوبیت اور گہری قلبی محبت و عقیدت کے ساتھ ہوا۔ جس میں ذاتی احسانمندی کا عنصر بھی شدّت کے ساتھ موجود تھا۔ لیکن پھر جب اختلاف پیدا ہوا تو وہ بھی اتنا ہی شدید تھا اور اس کے نتیجے میں طویل عرصے تک مایوسی ہی نہیں شدید بیزاری کی کیفیت قلب و ذہن پر طاری رہی لیکن آخر کار اس

پر افسوس، ہمدردی اور حسرت کا رنگ غالب آگیا اور قلب کی گہرائیوں میں کم از کم احسان مندی کے احساسات بتمام و کمال عود کر آئے ـــــ میری پیش نظر تحریریں چونکہ ان تین ادوار میں سے درمیانی دَور سے تعلق رکھتی ہیں لہٰذا ان میں تلخی کا رنگ بہت نمایاں ہے جس کے لئے میں مولانا مرحوم کے تمام محبّین و معتقدین سے بھی معذرت خواہ ہوں اور مجھے یقین ہے کہ اگر ۱۹۷۹ء میں امریکہ میں مولانا سے میری وہ ملاقات ہو جاتی جس کی ایک شدید خواہش لئے ہوئے میں وہاں گیا تھا تو میں اُن سے بھی معافی حاصل کر لیتا ـــــ اس لئے کہ اُسی زمانے کے لگ بھگ مجھے ایک اطلاع ایسی ملی تھی جس سے پورا اندازہ ہو گیا تھا کہ مولانا کے دل میں میری جانب سے کوئی تکدّر یا رنج نہیں ہے۔ (یہ اطلاع جناب عبدالرحیم، ڈپٹی چیف مکینکل انجینئر، کراچی پورٹ ٹرسٹ نے دی تھی کہ ایک نجی ملاقات میں جس میں وہ خود موجود تھے مولانا مرحوم نے میرے بارے میں یہ الفاظ فرمائے تھے کہ: "اس شخص کے بارے میں مجھے یہ اطمینان ہے کہ وہ جہاں بھی رہے گا دین کا کام کرتا رہیگا!" جس کی تائید مزید مجھے بفلو میں مولانا کی نمازِ جنازہ میں شرکت کے موقع پر مل گئی جب مولانا کے خلف الرشید ڈاکٹر احمد فاروق مودودی سے معلوم ہوا کہ میری مولانا سے ملاقات کی خواہش یکطرفہ نہ تھی بلکہ ان کے الفاظ میں: "... اُدھر ابّا جان بھی آپ سے ملاقات کے بہت خواہاں تھے لیکن ...." ـــ بہرحال یہ میرا اور مولانا مرحوم کا ذاتی معاملہ ہے اور مجھے یقین ہے کہ میدانِ حشر میں جب میں اُن سے اپنی تلخ نوائی کی معافی چاہوں گا تو وہ مجھے ضرور معاف کر دیں گے۔

اس وقت اصل مسئلہ یہ ہے کہ ہم ماضی کے طرزِ عمل کا بھرپور تنقیدی جائزہ لیں اور اس میں نہ کسی کی محبت و عقیدت کو آڑے آنے دیں نہ کسی کے بغض و عداوت کو راہ پانے دیں، بلکہ یہ بے لاگ تجزیہ صرف مستقبل کے لئے سبق حاصل کرنے کے لئے ہو ـــــ اور اس اعتبار سے ان شاء اللہ العزیز قارئینِ کرام ان تحریروں کو مفید پائیں گے۔

(تحریر یکم جنوری ۸۲ء)

محترم ڈاکٹر اسرار احمد صاحب کی یہ تالیف مکتبہ مرکزی انجمن خدام القرآن لاہور اور کراچی سب آفس کمرہ ملا داؤد منزل نزد آرام باغ شاہراہ لیاقت سے دستیاب ہو سکتی ہے۔ قیمت فی نسخہ ۵ روپے علاوہ محصول ڈاک

وَنُنَزِّلُ مِنَ الْقُرْاٰنِ مَا هُوَ شِفَآءٌ وَّرَحْمَةٌ لِّلْمُؤْمِنِيْنَ

سورۃ الاسراء۔ الآیۃ ۸۲

عطیہ: حاجی محمد سلیم

حاجی شیخ نورالدین اینڈ سنز لمیٹڈ (Exporters)

۳۰۱، لنڈا بازار، لاہور۔ ۳۰۶۴۶۸ / ۳۰۵۴۶۹

ڈاکٹر اسرار احمد امیر تنظیم اسلامی کی بیعت کے بارے میں

مولانا عتیق الرحمٰن سنبھلی خلف الرشید مولانا محمد منظور نعمانی مدظلہ

کے لندن سے استفسار کے جواب میں

مولانا سید حامد میاں مدظلہ خلیفہ مجاز مولانا سید حسین احمد مدنی رح

کی وضاحت

"..... اس عرصہ میں خود ڈاکٹر صاحب ایک دن تشریف لے آئے میں نے ان سے بھی بات کی کہ آپکی نیت اس بیعت میں جو آپ لیتے ہیں بیعت جہاد ہے یا کیا؟ کیونکہ اسکی صفات وہ ہیں جو بیعت جہاد کی ہوتی ہیں کہ کوئی کسی سے بھی بیعت ہو وہ آپ سے بھی بیعت کرلے وغیرہ تو انہوں نے کہا میری یہی نیت ہے۔ میں نے جو انکی بات کی تائید کی تھی تو اس وقت مذکورہ بات بھی پیش نظر تھی اور دوسرے وہ واقعات بھی کہ جن میں جناب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے مختلف امور پر بیعت لی ہے اور بیعت جہاد وغیرہ میں مفضول نے افضل سے بیعت لی ہو اسکا ثبوت بھی ہے لاہور ہی میں حضرت مولانا انور شاہ صاحب رحمۃ علیہ نے حضرت مولانا عطاء اللہ شاہ صاحب بخاری سے خود بیعت ہو جانے کے لئے فرمایا اور شاید بیعت بھی ہوئے اور بڑے بڑے لوگ بیعت ہوتے اسی لئے انہیں امیر شریعت کہا جانے لگا۔ یہ بیعت بیعت جہاد ہی کی نیت سے تھی چاہے کلمات میں صراحت نہ ہوئی ہو جس کی وجہ حالات تھے۔ اور حکومت کا تسلط ورنہ مولانا انور شاہ صاحبؒ

اور بزرگ سے بیعت تھے، صوفیہ کرام کی بیعت اور اسکی اقسام کی بحث تو "القول الجمیل" میں ہے لیکن ڈاکٹر صاحب نے کسی سے مرید ہیں نہ مجاز اس لئے وہ یہ بیعت تو نہیں لیتے وہ جو بیعت لیتے ہیں وہ اور قسم کی ہے اور بے ثبوت یعنی بلا دلیل شرعی بھی نہیں کیونکہ جناب رسالتمآب صلی اللہ علیہ وسلم نے بیعت عقبہ بھی لی ہے اس میں اس وقت کے مطابق کلمات تھے۔

امام نسائی رحمۃ اللہ علیہ نے جلد دوم میں مختلف قسم کی بیعتیں استنباط کی ہیں۔

(۱) البیعۃ علی السمع والطاعۃ (۲) البیعۃ علی ان لاننازع الامر اھلہ (۳) البیعۃ علی القول بالحق (٤) البیعۃ علی القول بالعدل (۵) البیعۃ علی الاثرۃ (٦) البیعۃ علی النصح لکل مسلم (۷) البیعۃ علی ان لانفر (۸) البیعۃ علی الموت (۹) البیعۃ علی الجہاد (۱۰) البیعۃ علی الھجرۃ نسائی ج ۲ کتاب البیعۃ

غرض ڈاکٹر صاحب کی بیعت یا تو بقول ان کے بیعت جہاد ہی ہے یا اس قسم کی بیعتوں میں سے کسی قسم کی ہے ....."

(تحریر ۱۷ دسمبر ۸۲ء)

کراچی میں تنظیم اسلامی کے اجتماعات کا پروگرام حسب ذیل ہے:

جن میں درس قرآن (عموماً بذریعہ کیسٹ: ڈاکٹر اسرار احمد صاحب) درس حدیث، مطالعہ سیرت مطہرہ اور فقہ اسلامی اور فہم و تفہیم کے لئے سوال و جواب کا اہتمام ہوتا ہے۔ یہ اجتماعات کراچی دفتر کمرہ ۱۱ داؤد منزل نزد آرام باغ میں منعقد ہوتے ہیں۔

- ہر جمعہ کی صبح ۹½ بجے تا ۱۱½ بجے
- ہر پیر اور بدھ کو بعد نماز مغرب

روداد تنظیم اسلامی حصہ اوّل اور میثاق، نومبر ۸۲ء کی بعض عبارات سے

مولانا سیّد حامد میاں مدظلہ کا اظہارِ اختلاف

الحمد للہ کہ مولانا سیّد حامد میاں مدظلہ، تنظیم اسلامی کے حلقۂ مستشارین میں شامل ہیں جو تنظیم اسلامی کے نظام العمل کی دفعہ ۱۰ کے مطابق قائم کیا گیا ہے۔ مولانا نے روداد تنظیم حصہ اوّل اور میثاق، نومبر ۸۲ء کی بعض عبارات کے بارے میں درج ذیل رائے تحریر فرمائی ہے جو اُن کی فرمائش کے مطابق شائع کی جا رہی ہے۔ بعض عبارات میں جس تبدیلی کا مولانا نے مشورہ دیا ہے اس پر ان شاء اللہ تنظیم کی مرکزی مجلس مشاورت اپنے آئندہ اجلاس میں غور کر کے فیصلہ کرے گی (ادارہ)

(۱)

روداد حصہ اوّل صفحہ ۱۱۵ پر وارد شدہ الفاظ

"قتل الحسین رضؓ بسیفِ جدّہٖ"

کے بارے میں:

صفحہ ۱۱۵ - قتل الحسین بسیف جدہٖ - یہ ناصبی لوگوں کی باتیں ہیں ان کو وزن دینا اور ان کی تشہیر مناسب نہیں۔ اصل بات یہ ہے کہ سیّدنا معاویہ رضی اللہ عنہ نے اپنی حیات میں بعض مصالح کے پیشِ نظر آئندہ منصب امارت کے لیے لوگوں سے رائے لے کر نامزد کرنا چاہا۔ لیکن بہت سے لوگ یزید کے خلاف تھے، اتفاق نہ ہو سکا۔ مدینہ منوّرہ میں اس وقت تک مروان ہی امیر تھا۔ اس نے

بعیت شعبہ میں یزید کا ذکر کیا۔ جس پر حضرت عبد الرحمٰن بن ابی بکر رضی اللہ عنہما نے اعتراض کیا۔ اُس نے کہا پکڑو لو انہیں۔" لیکن وہ اپنی ہمشیرہ سیدہ عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا کے پاس چلے گئے۔ اس واقعہ کا یہ حصہ تو بخاری شریف کی جلد دوم پارہ سورۂ احقاف کی تفسیر میں ہے۔ لیکن بعض مؤرخین نے لکھا ہے کہ حضرت عبدالرحمٰن نے فرمایا کہ "ھِی ھرقلیۃ" یہ طرز تو ان لوگوں کا ہے جنہیں مسلمانوں نے شام سے نکالا۔ اب شام میں دارالخلافہ ہے تو ان لوگوں کا طرز کیوں اختیار کیا جا رہا ہے (یہ ہرقل کا طریقہ تھا کہ باپ کے بعد بیٹے ہی پر زور دیا جائے)۔

بالکل اسی طرح اور بھی بہت سے صحابہ کرام کو یہ طریقہ پسند نہیں آیا، ان میں حضرت ابن زبیر اور حضرت حسین بھی ہیں۔ رضی اللہ عنہما۔ گویا ان کا اختلاف حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ کے دور ہی میں اس طرز عمل سے ہو گیا تھا۔ ان کی رائے تھی کہ اس طرح انعقاد خلافت و امارت نہیں ہوتا۔ کوفہ، مدینہ منورہ اور مکہ مکرمہ کے علماء کی یہی رائے تھی۔ حتیٰ کہ مکہ اور مدینہ میں جن حضرات نے یزید کی جانشینی کی خبر آنے پر بیعت کر لی تھی بعد میں ان میں سے بھی بعض کے ہواسب نے اُس کی بیعت توڑ دی تھی اور مدینہ کے لوگوں نے تو تمام بنو امیہ کو بھی مدینہ سے نکال دیا تھا۔ جن میں مروان بھی تھا۔ اس پر یزید نے غضبناک ہو کر مدینہ پر حملہ کا حکم دیا اور سپہ سالار مسلم بن عقبہ مری کو حکم دیا کہ تین دن تک مدینہ میں قتل و غارتگری مباح رکھنا۔ ابن تیمیہؒ "منہاج السنۃ" میں لکھتے ہیں واسرہ ان یستبیح المدینۃ ثلاثۃ ایام اس کے بعد اس کا لشکر مکہ مکرمہ گیا۔ وہاں ابن زبیر رضی اللہ عنہ سے مقابلہ ہو ہی رہا تھا کہ یزید کی موت کی خبر آ گئی۔ یزید کے بعد اس کے بیٹے کو امیر بنایا گیا لیکن اس نے اس طرز حکومت کو پسند نہیں کیا۔ بددل رہا اور صرف تیس پینتیس دن بعد اس کا انتقال ہو گیا۔ پھر پوری سلطنت اسلامیہ میں بنو امیہ کی حکومت ختم ہو گئی حتیٰ کہ خود شام میں بھی حضرت ابن زبیرؓ کی طرف سے حضرت ضحاک رضی اللہ عنہ گورنر ہو گئے — چند سال کے بعد مروان نے کچھ جمعیت اکٹھی کی اور حضرت ضحاکؓ سے بدعہدی کر کے انہیں شہید کر دیا لیکن کچھ ہی دنوں بعد مروان کا بھی خود انتقال ہو گیا یا بیوی نے گلا گھونٹ دیا۔ پھر عبدالملک بن مروان جانشین ہوا۔ وہ اور اس کا جنرل حجاج بن یوسف

بہت کامیاب رہے۔ انہوں نے از سرِ نو سلطنت بنو اُمیّہ قائم کی۔

اتنی تفصیل لکھنے کا ایک مقصد تو یہ ہے کہ چند سطور میں متقدمین سے لے کر حضرت شاہ ولی اللہ اور شاہ عبدالعزیز رحمۃ اللہ علیہما اور اکابر دیوبند تک کا موقف سامنے آجائے اور یزید کے بارے میں بھی یہ بات آجائے کہ اس کی تفسیق کی وجہ واقعہ حرہ ہے جس میں مقتولین کی کثرت کا ذکر بخاری شریف جلد دوم، تفسیر سورہ اذا جاءک المنافقون میں حضرت انس اور یزید بن ارقم رضی اللہ عنہما کی روایت میں آتا اور تاریخ کی سب کتابوں میں موجود ہے) کیونکہ اس کا انتقال اسی دوران ہو گیا اور اس بے حرمتی سے توبہ کا ثبوت نہیں ملتا اس لیے تفسیق اور بعض نے تکفیر بھی کی ہے۔

اس کی تفصیل ہی سے یہ بھی واضح ہو رہا ہے کہ یزید کی مقبولیت اس کے دورِ امارت سے پہلے بھی کم ہی تھی دورِ امارت میں ختم ہو گئی۔ بلکہ اہلِ مدینہ کے ساتھ زیادتی سے تو مسلمانوں میں اتنی مخالفت بڑھ گئی کہ ایک دفعہ تو بنو اُمیّہ کی حکومت ہی دنیا سے ناپید ہو گئی۔ (یہ حصّہ وہ ہے جو تاریخ کی ہر کتاب میں ہے۔ لیکن عباسی صاحب نے اسے حذف ہی کر رکھا ہے)۔

اِس مسئلہ میں جو بات عرض کرنی چاہتا تھا وہ صرف یہ تھی کہ حضرت حسین رضی اللہ عنہ اور دوسرے صحابۂ کرام کو طریق استخلاف سے اختلاف تھا۔ ان کے نزدیک اس طرح مشورہ کر کے جانشین کا تقرر درست نہیں تھا۔ آگے یہ ہُوا کہ ایسی صورت میں اہلِ کوفہ کی طرف سے دعوت موصول ہوئی۔ جنہوں نے یہ بھی صاف لکھا تھا کہ ہم نے اب تک کسی کے ہاتھ پر بیعت نہیں کی ہے۔ حضرت امام حسینؓ کے نزدیک ایسی صورت میں ان کی دعوت قبول کرنا ضروری تھا۔ یہ ضروری یا فرضیت کے درجہ میں تھا یا وجوب کے اور یا صرف استحباب کے درجہ میں سفر کر کے پہنچنا بہتر تھا۔ بہرحال انہوں نے اس دعوت کو قبول فرمایا لیکن اس طریقہ سے کہ قتال کے بغیر کامیابی ہو۔ اسی لیے انہوں نے اپنے ساتھ لشکر نہیں لیا بلکہ بیوی بچوں عورتوں اور رشتہ داروں کو لیا۔ اور اسی لیے بعد میں انہوں نے ابنِ زیاد کے لشکریوں سے فرمایا کہ مجھے واپس جانے دو۔ یا یزید کے پاس لے چلو۔ یا اور آگے جہاد پر جانے دو۔ کیونکہ ان سب صورتوں میں قتالِ مسلم سے بچنا ہو جاتا۔ (واپسی یا جہاد پر جانا

ان دونوں صورتوں میں تو ظاہر ہے۔ بلکہ انہیں اگر آگے جہاد پر جانے کی اجازت دے دی جاتی تو وہ کوفہ — (ڈویژنل ہیڈ کوارٹر) کے تابع ہو کر ہی آگے جاتے۔ آذربائیجان سے بلخ وغیرہ تک کی ساری شمالی پٹی کا فوجی مرکز کوفہ ہی تھا۔ جیسے اس کے جنوبی حصّہ (میں سندھ تک) کا مرکز بصرہ تھا — شمال میں قسطنطنیہ تک کا مرکز خود شام و فلسطین تھا۔ اور افریقہ کے تمام مفتوحہ علاقوں کا ڈویژنل ہیڈ کوارٹر مصر تھا) ان کے نزدیک بغیر قتال مسلم اگر یہ معاملہ امارت طے ہو جاتا تو درست ہوتا! اور یہی انہیں توقع تھی۔ لیکن ابن زیاد نے ان سے مطالبہ کیا کہ وہ پہلے یزید کی بیعت قبول کریں پھر انہیں گرفتار کیا جائے گا پھر فیصلہ کیا جائے گا کہ یزید کے پاس بھیجا جائے یا نہیں۔ اس نے نہ یزید سے ان کی رشتہ داری کا خیال کیا نہ قرابتِ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا لحاظ کیا اور صرف مذکورہ بالا صورت ہی پر اصرار کیا جو شرعاً ناجائز تھا اور غیرت وحمیت وعزّتِ نفس جو شریعت نے ہر مسلمان کو بخشی ہے، اس کے منافی تھا۔ اس لیے حضرت امام حسین رضی اللہ عنہ نے اسے نہ مانا جس کے نتیجہ میں ان کی شہادت ہوئی۔

ابنِ زیاد کا یہ رویہ غیر شرعی تھا کیونکہ سیدنا علی کرم اللہ وجہہ نے ان باغیوں کے ساتھ بھی کہ جنہوں نے تلوار اُٹھائی تھی کبھی ایسا سلوک روا نہیں رکھا تھا۔ مروان بصرہ کے واقعہ جمل میں قید ہو کر آیا اسے اور دوسرے قیدیوں کو آپ رضؓ نے چھوڑ دیا۔ انہوں نے اعلان فرما دیا تھا کہ جو عین میدان جنگ میں بھاگ کھڑا ہو اس کا بھی پیچھا نہ کرو۔ (پھر ان کے بعد حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ نے بھی انہی کے طریقہ پر عمل کیا۔) اور یہی مسئلہ فقہ حنفی کے مسائل میں واقعہ جمل کے حوالہ سے ذکر کیا جاتا ہے۔

غرض شرعاً حضرت امام حسین رضی اللہ عنہ کا طریق کار قطعاً درست تھا پھر آخر میں انہوں نے جب مکہ مکرمہ سے روانگی کے وقت اور ابن زیاد سے بات چیت کے وقت تین صورتیں پیش فرما دیں تو مدِ مقابل کو دست درازی کا کوئی جواز ہی نہیں رہا تھا۔ ان کے ساتھ ابن زیاد کا معاملہ سراسر ظلم تھا۔

حضرت حسین رضی اللہ عنہ نے ساتھیوں سے فرمایا تھا کہ یہ لوگ مجھے نہ چھوڑیں گے۔ آپ لوگوں کو اجازت دیتا ہوں کہ جو اِدھر اُدھر ہونا اور جانا

چاہے چلا جائے لیکن کوئی ساتھی آپ کو چھوڑ کر جانے پر راضی نہ ہوا۔ آخر میں جب آپ کو اندازہ ہوا کہ یہ مقابل لوگ حملہ کریں گے اور شہید کریں گے تو بھی آپؓ نے اپنے والد ماجد سیدنا علی کرم اللہ وجہہ کی طرح ساتھیوں کو حکم دیا کہ لڑائی میں کوئی پہل نہ کرے۔ دوسرا فریق پہل کرے تو کرے۔ (یہ مسئلہ بھی فقہ حنفی میں ہے اور حضرت علی رضی اللہ عنہ کے قتال سے لیا گیا ہے) — اسی طرح کربلا میں ہوا پہل بھی ابن زیاد کے لشکر کی طرف سے ہوئی۔ حتیٰ کہ سب لڑ سکنے والے شہید ہو گئے۔ رحمہم اللہ تعالیٰ و رضی عنہم۔

ابن زیاد کے عبرتناک انجام کا ذکر تو ترمذی شریف میں ہے — اور شہادتِ حسین رضؓ کی براہِ راست ذمہ داری اسی پر ہے۔ لیکن بالواسطہ یزید پر بھی اس کی ذمہ داری آتی ہے کہ اس نے ابنِ زیاد کو ادنیٰ ترین سزا بھی نہیں دی۔ جیسے آج کل لڑا لسفر کر دیا جاتا ہے۔ اُس نے ابنِ زیاد کو اتنی بھی سرزنش نہیں کی۔ چہ جائیکہ سزا دیتا اور جو کسی ظلم پر راضی ہوا اور ظالم سے متفق ہو وہ بھی اس ظلم میں شریک ہوتا ہے۔

اب جناب کے سامنے واقعہ کا بالاجمال پورا خاکہ ہے۔ اس کی روشنی میں غور فرمائیں کہ "قتل الحسین بسیف جدہ" کس قدر بیجا دعویٰ ہے۔ معلوم ہوتا ہے کہ یہ جملہ یا کسی ناصبی کا ہے یا ایسے شخص کا ہے جس کی نظر نہ تاریخ پر ہے اور نہ صورتِ واقعہ اور مسائل پر کیونکہ ان کے نانا کی تلوار ظالم کے لیے تھی نہ کہ مظلوم کے لیے اور وہ بالاتفاق مظلوم ہیں اور شہید — رضی اللہ عنہ۔

یہ تمام امور جو بیان کیے گئے ان کے حوالے درج ذیل ہیں:

روایت، عبدالرحمٰن بن ابی بکر۔ ص ۷۰۵ ج ۲ بخاری۔

روایت، زید بن ارقم۔ ص ۲۸۷ ج ۲ بخاری

ان یستاسر الحسین، ابن تیمیہ منہاج السنۃ ص ۲۴۹ ج ۲ ۔ مسلم بن عقبہ یزید و وقعۃ الحرہ ص ۲۵۳ ج ۲ ۔

مسائل بغاۃ نصب الرایہ فی تخریج احادیث الھدایہ ص ۴۶۴ ج ۳۔

(۲)

عبارات متعلقہ حضرت سیّد احمد شہیدؒ

صفحہ ۱۱۸ : "وہ صرف بیعت جہاد لیتے تھے ۔ ۔ ۔ الخ"
صفحہ ۱۳۶ : "اُن سے سلوک طے نہیں ہوا ۔ ۔ ۔ الخ"

یہ بات درست نہیں وہ سلسلۂ نقشبندیہ میں ہمارے مشائخ میں ہیں۔
حضرت حاجی امداد اللہ صاحب۔ از میانجی نور محمد صاحب، از حضرت سید احمد شہید۔ از حضرت شاہ عبدالعزیز الخ۔ رحمہم اللہ۔
ضیاء القلوب مولفہ حضرت حاجی امداد اللہ صاحب قدس سرہٗ۔
زیرِ عنوان سلسلۂ عالیہ نقشبندیہ۔

ص ۱۳٦ — "لیکن ان سے سلوک طے نہیں ہوا — تا — وہ سب کچھ ترک کر کے فوج میں ملازم ہو گئے تھے۔" یہ بات درست نہیں۔ ان کی تکمیل سلوک کے حالات حضرت شاہ اسمٰعیل شہید رحمۃ اللہ علیہ کی صراطِ مستقیم کے بالکل آخری صفحات میں ملاحظہ فرمائیں۔

ص ۱۵۰ — پر الفاظ تبدیل فرما دینے چاہئیں — (۱) میں۔
یہ بیعت سمع و طاعت، ہجرت اور جہاد کے بارے میں فوری واجب العمل ہوگی — (۲) میں — اور اس امر کو — بدل کر — تنظیم اسلامی کی بیعت واجب العمل رہے گی۔

ص ۱۵۴ — "وہ بیعت ارشاد کو بیعتِ جہاد پر مقدم سمجھتے تھے۔" (ص ۵)
حالانکہ بیعت ارشاد و سلوک میں جو ذکر تعلیم کیا جاتا ہے وہ ہجرت و جہاد کے ساتھ جمع ہو سکتا ہے۔ جیسے ایک مجاہد سپاہی اپنے حاکم کی بھی فوری اطاعت کرتا ہے۔ اور ذکر اللہ بھی بالطریق مشائخ کرتا ہے۔ اسی طرح حضرت سید احمد شہید رحمۃ اللہ علیہ سے بیعت جہاد کرنے والے بہت سے مجاہدین حضرت شاہ عبدالرحیم صاحب ولائتی شہید رحمۃ اللہ علیہ سے سلسلۂ چشتیہ میں بیعت تھے۔ (حضرت شاہ عبدالرحیم صاحبؒ صوبۂ سرحد بختار میں مدفون ہیں) ۔ حضرت عبدالرحیم صاحب سے حضرت میانجی نور محمد صاحب

ان سے حضرت حاجی امداد اللہ صاحب مجاز ہیں۔ (یہ اکابر دیوبند کے شجرہ چشتیہ کے شیخ ہیں) رحمہم اللہ۔

(۳)

"میثاق" کے نومبر ۸۲ء کے شمارے کی ایک عبارت کے متعلق مشورہ

"میثاق" بابت محرم ۱۴۰۲ھ نومبر ۸۱ء کے صفحہ ۲۹ پر سطر ۳ سے سطر ۱۱ تک بلا تنقید وہ علی الاطلاق ہرگز نہ ہونی چاہیئے۔ ایسے جملے ضرور آنے چاہئیں جن سے اسی حلیے کے اہلِ حق واضح طور پر خارج از بحث ہو جائیں۔

(ان شاء اللہ کتابی شکل میں اشاعت کے وقت جملہ بڑھا دیا جائے گا)

"اسلام میں خواتین کا مقام"
کے موضوع پر
ڈاکٹر اسرار احمد کا ایک اہم خطاب
ماہنامہ میثاق کے مئی ۸۲ء کے شمارے
یعنی اشاعت خصوصی میں ملاحظہ فرمائیں
مزید براں
اسی موضوع پر دیگر اصحابِ علم و دانش کی تحریریں بھی
اس اشاعتِ خصوصی میں شامل ہیں

یہ شمارہ دفتر میں محدود تعداد میں موجود ہے
قیمت فی پرچہ (قسم ادنیٰ) -/۶ روپے (قسم اعلیٰ) -/۱۰ روپے

وَأَنزَلْنَا الْحَدِيدَ
فِيهِ بَأْسٌ شَدِيدٌ
وَمَنَافِعُ لِلنَّاسِ
(الحدید: ۲۵)

اور ہم نے لوہا اتارا
جس میں بڑی قوت بھی ہے اور لوگوں کے لیے
بڑے فوائد بھی ہیں۔

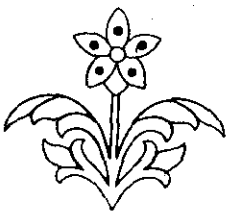

اتفاق فاؤنڈریز لمیٹڈ

۳۲- ایمپریس روڈ - لاہور

عشرۂ کاملہ

امیرِ تنظیمِ اسلامی ڈاکٹر اسرار احمد کی کراچی میں مصروفیات

از قلم : حافظ محمد رفیق (کراچی)

سال ۱۹۸۲ء میں امیرِ محترم ڈاکٹر اسرار احمد صاحب کا کراچی میں یہ اختتامی دورہ دروسِ قرآن و خطابات تھا، جو انتہائی کامیاب رہا۔ بظاہر تعداد ایّام کے اعتبار سے تو گیارہ دن (احد عشر یوماً) ہوئے، چونکہ امیرِ محترم ۱۹ر دسمبر بروز اتوار ٹھیک دوپہر کے وقت کراچی تشریف لائے تھے اور کراچی سے روانگی ۲۹ر دسمبر بروز بدھ تقریباً اسی وقت ہوئی کہ جو وقت کراچی میں ان کی تشریف آوری کا تھا تو گویا تقویم اوقات کے اعتبار سے مکمل دس روز یعنی قرآنی اصطلاح میں "عشرۃٌ کاملۃٌ" ہوئے۔

کراچی میں امیرِ محترم کی مصروفیات کی تاریخ وار تفصیل

۱۹ر دسمبر بروز اتوار کو ہی امیرِ محترم اپنی فلائٹ سے کراچی پہنچے۔ موصوف کے قیام کا بندوبست حسبِ سابق ہمارے رفیق عبدالواحد عاصم صاحب کے مکان پر تھا۔ طے شدہ پروگرام کے مطابق بعد نمازِ عشاء جامع مسجد بلاک نمبر ۴، ناظم آباد نزد ہادی مارکیٹ میں سورۂ حدید و سورۂ صف کے چھ روزہ درس قرآن کا آغاز ہوا۔ جس کا عنوان "خطاب بہ امتِ مسلمہ" تجویز کیا گیا تھا۔ پہلے دن یہ درس ڈیڑھ گھنٹے پر محیط تھا۔ اور سورۂ حدید کی صرف ابتدائی تین آیات کی درسی تکمیل ہو سکی جبکہ امیرِ محترم کا ارادہ چھ آیات کے درس مکمل کرنے کا تھا، (ماشاء اللہ کان وما لم یشأ لم یکن)۔

واضح رہے کہ ہادی مارکیٹ کی جامع مسجد میں چھ روزہ دروسِ قرآن حکیم اور خطاب جمعہ کا اہتمام تنظیم اسلامی حلقہ کراچی کی جانب سے کیا گیا تھا اور تنظیم کی جانب سے اپنے وسائل و ذرائع کے مطابق امکانی حد تک مجوزہ پروگرام کی تشہیر و تعارف کا حسبِ ذیل بندوبست کیا گیا تھا۔

اولاً، بارہ سو افراد جن کے پتے ہمارے پاس موجود تھے ان کو بذریعہ ڈاک پروگرام سے مطلع کیا گیا۔

ثانیاً، بارہ ہزار کی تعداد میں "ہینڈ بلز" ہمارے رفقاء گرامی نے ذاتی رابطے کی شکل میں اور مختلف مساجد میں جمعہ کے اجتماعات میں تقسیم کئے۔

ثالثاً، تقریباً پانچ صد سے متجاوز پوسٹرز دیواروں پر چسپاں کئے گئے جن کے لئے اسرہ جات کے اصول پر علاقوں کو تقسیم کیا گیا تھا۔

رابعاً، گزشتہ سالوں کے مقابلہ میں اس دفعہ اخبارات میں بعض اہل خیر حضرات کے تعاون سے "ڈبل کالمی" اشتہارات ایک دن کے بجائے دو دن تک چھپوائے گئے۔

خامساً، کراچی میں ۱۶ مقامات پر کپڑے کے بڑے بینر لگائے گئے۔

مذکورہ بالا پروگرام کے علاوہ امیر محترم کے خطابات اور تقاریر جو مختلف مقامات پر مختلف تنظیموں اور انجمنوں کے زیر انتظام ہوئیں ان تنظیموں کی جانب سے ان کی تشہیر و اعلان کا عمدہ اور مربوط اہتمام کیا گیا۔ تقریباً جملہ پبلک مقامات پر پوسٹرز چسپاں کرنے کا کام پوری کراچی میں باحسن طریقے پر سامنے آیا اور روزانہ اخبارات میں بڑے بڑے اشتہارات دیئے گئے۔

جامع مسجد ہادی مارکیٹ میں دروس قرآنی کی تمام نشستوں میں حاضری بھرپور تھی۔ پہلی نشست کے علاوہ تمام نشستوں میں اوسط حاضری ہزار سے بھی متجاوز تھی اور اس میں ہر روز اضافہ ہو رہا تھا۔ جبکہ خواتین اس کے علاوہ تھیں جن کی الگ نشست کا انتظام مسجد ہذا کے جنوبی ملحقہ ہال میں تھا اور جملہ نشستوں میں ان کی تعداد ۴۰ - ۵۰ کے لگ بھگ رہی۔ یہ بھی سننے میں آیا کہ ان میں سے اکثر یا بعض خواتین کراچی کے دور دراز علاقوں سے درس میں شامل ہوتی رہیں۔

چونکہ خواتین کی شمولیت کا ذکر آیا ہے تو مزید برآں ایک نو بیاہتا جوڑے (Newly married couple) کا ذکر کرنا ضروری ہے جن کا عقد نکاح لاہور میں ہوا۔ منکوحہ محترمہ کا تعلق لاہور ہی سے تھا اور ناکح صاحب (دولہا) ضلع سانگھڑ کے معروف زمیندار گھرانے کے چشم و چراغ ہیں۔ محترمہ رشتہ زوجیت میں باقاعدہ منسلک ہونے سے قبل لاہور میں امیر محترم کے دروس قرآنی و خطابات جمعہ میں شریک ہوتی

رہی تھیں۔ اس لئے عقد نکاح کے بعد جب ہماری اُخت محترمہ کو ڈاکٹر صاحب کے کراچی کے دروسِ قرآنِ حکیم کا علم ہوا تو وہ اپنے زوج محترم کے ہمراہ بذریعہ کار ساگھڑ سے کراچی آئیں اور کراچی کے ایک فائیو سٹار ہوٹل میں یہ سعید و مبارک جوڑا ٹھہرا اور جامع مسجد ہادی مارکیٹ کے دروس قرآن کی نشستوں میں شامل ہوتا رہا اور دروسِ قرآنِ حکیم کے اختتام اور خطاب جمعہ کے بعد ۲۵ دسمبر کو دفتر تنظیم اسلامی میں سوال و جواب کی خصوصی نشست میں دولہا صاحب شریک ہوئے اور ان کی زوجۂ محترمہ دفتر کے باہر کار میں بیٹھی رہیں (واضح رہے کہ سوال و جواب کی یہ خصوصی نشست صرف مرد حضرات کے لئے تھی) موصوف زبیر شاہین صاحب نے ڈاکٹر صاحب سے بعض سوالات بھی کئے۔ موصوف کے ذہنی پس منظر سے قطع نظر، جہاں تک دیانت اور حریتِ فکر و نظر کا تعلق ہے تو وہ زبیر شاہین صاحب کے سوالات، ان کی نوعیت اور خود ان کے طرزِ عمل سے عیاں تھیں۔ دعا ہے کہ اللہ تعالیٰ ان کی جملہ استعدادات و صلاحیتوں اور خوبیوں کو دین کے بنیادی تقاضوں ہی میں کھپانے کی توفیق عطا فرمائے۔ آمین!

۲۰ دسمبر بروز پیر: حسب سابق ابتدائی تین روز اور دو شبیں امیرِ محترم کا قیام جناب عبدالواحد عاصم صاحب، رفیق تنظیم اسلامی کی قیام گاہ واقع پی۔ ای۔ سی۔ ایچ سوسائٹی میں رہا۔ صبح ½ ۷ بجے تحریک تعمیر پاکستان کے بانی صدر جناب طفیل دارا صاحب امیرِ محترم کے پاس تشریف لائے اور گفتگو کی۔ بعد ازاں ۱۱ بجے تک مختلف ملاقاتیوں کا سلسلہ جاری رہا جن میں عمر یوسف صاحب اور ان کے ہمراہ شیخ حفیظ صاحب اور جامع مسجد الفلاح پی۔ ای سی ایچ۔ ایس کے خطیب صاحب کے صاحبزادے، مولانا قاری محمد ہمایون صاحب، شعیب رحیم صاحب کے ہمراہ اور ضیاء منیر صاحب، افتخار برنی صاحب، مصطفیٰ الحذری فلسطینی، احسن جمیل صاحب اور فصاحت اللہ حسینی صاحب کے ساتھ تشریف لائے اور مختلف موضوعات پر تبادلۂ خیالات کیا۔

امیرِ محترم ½ ۱۱ بجے جناح پولی ٹیکنیک انسٹی ٹیوٹ میں فاروق اعظم آرگنائزنگ کونسل کے زیرِ اہتمام منعقدہ جلسے میں خطاب کے لئے تشریف لے گئے۔ اس خطاب میں امیرِ محترم نے فاروق اعظمؓ اور صدیق اکبرؓ کی سیرت و کردار کو خصوصاً اور دیگر صحابہ کرام کو عموماً مقصد بعثتِ نبویؐ کے حوالے سے اجاگر کیا اور بڑے مؤثر پیرائے میں یہ بات سمجھائی کہ سیرِ صحابہؓ کو

سمجھنے کے لئے ضروری ہے کہ مقصدِ بعثتِ نبوی کو اچھی طرح سمجھا جائے۔ ایک گھنٹے کا یہ خطاب تھا، پنڈال طلباء، اسٹاف اور بیرونی مہمانانِ گرامی سے کھچا کھچ بھرا ہوا تھا۔ امیرِ محترم کی آمد پر طلباء ادارہ کا جوش و خروش اور فرطِ جذبات کا مظاہرہ نعروں کی شکل میں قابلِ دید اور دورانِ خطاب جملہ سامعین کا انہماک قابلِ ستائش تھا۔ یہاں سے فراغت کے بعد امیرِ محترم عاصم صاحب کے مکان پر واپس تشریف لے گئے اور پھر عشاء کی نماز باجماعت جامع مسجد ہادی مارکیٹ میں ادا کرنے کے بعد سورۂ حدید کی آیت ۴ تا ۱۵ کا دو گھنٹہ تک درسِ قرآن دیا، حاضری کے متعلق جیسا کہ پہلے ذکر کیا جا چکا ہے کہ ہر دوسری نشست میں سامعین کی تعداد میں اضافہ ہوتا چلا گیا اور ایسا بھی ہوا کہ منتظمین کو باہر مسجد کے صحن میں شامیانہ نصب کرنا پڑا، کثرتِ حاضری سے قطع نظر، حاضرین کی حد درجہ توجہ و التفات سے یوں محسوس ہو رہا تھا جیسے ان پر سکتہ طاری ہو چکا ہے۔ ہر سو انہماک کا غلبہ اور خاموشی چھائی ہوئی تھی۔

۱۲ر دسمبر بروز منگل صبح ۹ بجے طارق امین صاحب کے ہمراہ ڈاکٹر عبدالمالک صاحب (اسلامک سنٹر) تشریف لائے اور تبادلۂ خیالات کیا۔ ان کے جانے کے بعد چند خواتین وفد کی شکل میں آئیں جن میں مسز فریدہ صاحبہ نمایاں تھیں ــــ موصوفہ ویسے تو جماعت اسلامی کے حلقۂ خواتین میں شامل نہیں ہیں۔ البتہ نرسری میں جماعت کے حلقۂ خواتین میں ہفتہ واری درسِ قرآن دیتی ہیں۔ انہوں نے امیرِ محترم سے خواتین کی تنظیم میں شمولیت، تربیت اور عملی طریقِ کار سے متعلق گفتگو اور سوالات کئے جس پر امیرِ محترم نے انہیں خواتین کی تنظیم میں شمولیت کے حالیہ فیصلے سے آگاہ کیا۔ مگر جہاں تک خواتین کی باقاعدہ تربیت اور عملی جد و جہد اور طریقِ کار کا تعلق ہے تو اس کی افادیت و اہمیت کو تسلیم کرتے ہوئے سنّتِ نبوی سے تاحال کوئی واضح ثبوت و استشہاد نہ ملنے کے باعث اپنے تردد اور مزید چھان بین کرنے کا اظہار فرمایا۔ یہ گفتگو تقریباً پونے گیارہ بجے تک چلتی رہی اس کے بعد امیرِ محترم کسی اہم تحریری کام میں مصروف رہے اور نمازِ عشاء کے بعد مذکورہ بالا جامع مسجد میں حسبِ پروگرام سورۂ حدید کی آیت ۱۶ تا ۲۱ کا درسِ قرآن دو گھنٹوں میں مکمل کیا ــــ!

درسِ قرآن کے بعد امیرِ محترم حسبِ وعدہ جناب کیپٹن کریم صدیقی صاحب کے مکان واقع ڈیفنس ہاؤسنگ سوسائٹی قیام کی غرض سے تشریف لے گئے اور اس دوران امیرِ محترم

کی معیت میں ہمہ وقت رہنے کے لئے " قرعۂ فال " راقم کے نام نکلا ۔ دراصل کیپٹن صاحب کے ہاں مقیم ہونے کا سلسلہ گزشتہ سالانہ مرکزی تربیت گاہ منعقدہ لاہور ۱۲ تا ۱۸ نومبر ۱۹۸۲ء کے دوران کیپٹن صاحب کی شرکت اور باہمی تبادلۂ خیالات بنا ـــــ لاہور میں کیپٹن صاحب نے امیر محترم کے سامنے یہ انکشاف کیا کہ تقسیم ہند و پاک سے قبل حکومت برطانیہ کی ملازمت کے دوران بکھنگم پیلس میں ان کی تعیناتی کے وقت پیلس کے مقفل و پہرہ بند کمروں سے انہیں کچھ مواد دستیاب ہوا تھا جس میں آکسفورڈ یونیورسٹی کی ریسرچ کمیٹی نے انیسویں صدی تک تاریخ انسانی میں مختلف قوموں کے مذہبی، ثقافتی، سیاسی، معاشی و سماجی کارناموں کا محققانہ تجزیہ (اپنی دانست میں) صدی وار (Century wise) پیش کیا ہے پھر اقوام و مذاہب عالم کی تاریخ میں اسلامی انقلاب اور اس کے دور رس اثرات، یہانتک کہ خود یورپ میں عربی زبان کی ترویج و تسلط کا اعتراف کیا ہے ۔ مگر بوجوہ اظہار حقیقت سے اعراض کرتے ہوئے اس مواد کو بند کمروں میں دفن کر دیا گیا تھا ـــ حسن اتفاق کہ موصوف کیپٹن کریم صاحب کی ڈیوٹی بکھنگم پیلس میں لگی اور کسی طرح ان کی رسائی اس مدفون مواد و ریسرچ ورک تک ہوئی ۔ بقول کیپٹن صاحب کہ اولاً تو ایسے مواد کو پڑھ کر میں حیرت زدہ رہ گیا اور میرے لئے یقین کرنا مشکل ہو گیا کہ یہ سب کچھ کیا اعداء اسلام کی اپنی تحقیق و تفتیش کا ثمرہ ہے ؟ ابتداءً تو مرعوبیت کے باعث اس سے زیادہ اثر نہ لیا مگر کتب میں سے متعلقہ اوراق نکالتا رہا حتیٰ کہ یہ ذخیرہ کئی ہزار اوراق تک پہنچ گیا ۔ تاہم Retirement کے بعد یہی اوراق الحاد و مادہ پرستی اور مغربی مرعوبیت سے نجات کا سبب بنے اور از سر نو اسلام اور قرآن کی عظمت و حقانیت نے اپنی طرف متوجہ کیا ۔

لاہور ہی میں دوران قیام کیپٹن صاحب نے امیر محترم سے اس خواہش کا اظہار کیا تھا کہ اب جب بھی آپ کراچی تشریف لائیں تو چند روز میرے ہاں اس غرض سے قیام فرمائیں کہ جو مواد میرے پاس منتشر حالت میں موجود ہے اس پر گفتگو و تبادلۂ خیالات کے بعد مربوط و مرتب شکل میں اسے اپنی وساطت سے ہماری نئی نسل تک منتقل فرمائیں ۔ امیر محترم نے اس کا وعدہ فرما لیا تھا جسے ایفاء کرنے کی غرض سے عاصم صاحب کے مکان سے یہاں منتقلی ہوئی ۔

۲۲، دسمبر بروز بدھ | صبح کی نماز کی باجماعت ادائیگی کی نیت سے جب امیر محترم ڈیفنس سوسائٹی جامع مسجد ابوبکر صدیق میں داخل ہوئے اور پہلی صف میں ایک طرف ہو کر بیٹھ گئے تو مسجد میں موجود افراد اور آنے والے نمازی حضرات امیر محترم کے گرد جمع ہو گئے، ان میں مسجد ہذا کے خطیب و امام صاحب اور متولی صاحب بھی شامل تھے۔ اس دوران راقم چونکہ امیر محترم سے دور، اسی صف کے دوسرے کنارے بیٹھا تھا۔ اس لئے معلوم نہ ہو سکا کہ کس قسم کی گفتگو نمازی حضرات سے ہوئی مگر جس وقت امام صاحب نے نماز ختم کی اور سلام پھیرتے ہی اپنی نشست سے کھڑے ہو کر اعلان کی صورت میں امیر محترم سے تبرکاً چند منٹ کے لئے درسِ قرآن دینے کی درخواست کی تو مجھے گمان گزرا کہ شاید نماز سے قبل امیر محترم ان حضرات کی اجتماعی خواہش و درخواست پر آمادگی ظاہر کر چکے ہوں گے۔ مگر ایسا نہیں تھا۔ حالانکہ گذشتہ رات میزبان کیپٹن کریم صاحب نے اپنی اور دیگر حضرات کی جانب سے اسی قسم کی آرزو کا اشارۃً اظہار کیا تو امیر محترم نے انہیں معذورہ لگے بندھے پروگراموں کی بہتات اور متاثرہ گلے کی شکایت کے باعث معذوری ظاہر کر دی اور کیپٹن صاحب کو تاکیدی انداز میں کہدیا کہ آپ چونکہ مسجد میں پہلے جاتے ہیں یا جائینگے تو لوگوں کو منع کر دیجئے۔ کیپٹن صاحب آج مسجد میں ہم سے پہلے ہی پہنچ چکے تھے مگر شاید ان سے سہو ہو گیا اور امیر محترم کے بوجہ مجبوری اعتذار کو لوگوں تک نہ پہنچا سکے۔

بہرکیف جب امام صاحب نے اجتماعی درخواست درسِ قرآن کی تو امیر محترم نے واقعی عذر کے باوجود اس وقت تبرکاً دس پندرہ منٹ کچھ وعظ و نصیحت کے بجائے ۲۴، دسمبر بروز جمعہ بعد نماز فجر ایک گھنٹہ درس قرآن دینے کا وعدہ کر لیا جسے بنیادی طور پر مروّتِ قلبی اور پھر امیر محترم کے اس علاقہ میں قیام پذیر ہونے سے علاقہ والوں کے عائد شدہ حقوق کی ادائیگی سے تعبیر کیا جا سکتا ہے۔ چہ جائیکہ امیر محترم کو جامع مسجد ہادی کمپلیکس کے طے شدہ چھ روزہ درس قرآن کو ہر نشست میں آدھے گھنٹے کے اضافی وقت کے ساتھ پانچ روز میں مکمل کرنا پڑا اور یوں اس اچانک اور اضافی پروگرام کو نبھانا پڑا۔

اسی روز صبح کا ناشتہ مختار احمد فاروقی صاحب (نسبتی داماد امیر محترم) کے گھر کورنگی نمبر ۴ میں طے تھا۔ ٹھیک آٹھ بجے ہم کیپٹن صاحب کے مکان سے روانہ ہوئے۔

فاروقی صاحب کے مکان پر پہلے سے اطلاع یافتہ حضرات جمع ہونا شروع ہو گئے۔ ناشتہ سے قبل آئے ہوئے موجود افراد سے باہمی تعارف کے ساتھ ساتھ مختلف موضوعات پر گفتگو ہوتی رہی جن میں دینی، سیاسی، معاشرتی اور فقہی مسائل شامل تھے۔

اس ناشتہ کی دعوت میں مسرور حسین صدیقی صاحب بھی مزید دو افراد کے ہمراہ آئے ہوئے تھے۔ انہوں نے امیر محترم سے فرنیچر مارکیٹ لیاقت آباد کے ممبران کی طرف سے سیرت النبیؐ پر تقریر کے لئے وقت مانگا۔ حالانکہ امیر محترم کی تشریف آوری سے قبل، مقامی تنظیم کے ذمہ داران نے وقت اور قیام کی مدت کے اعتبار سے تمام پروگراموں کو آخری شکل دے دی تھی اور اب مزید کسی پروگرام کی بظاہر کچھ گنجائش باقی نہ تھی۔ باوجود عدم فرصتی اور گلے کی شکایت کے پھر وہی احساس مروّت اور سابقہ تعلق آڑے آئے اور امیر محترم انکار نہ کر سکے اور اس طرح مسرور صاحب کو مورخہ ۲۸-۱۲-۸۲ کو رات کا تیسرا وقت دیا یعنی اس تاریخ کا پروگرام یہ رہا کہ مغرب تا عشار خالقدینا حال، سوا گھنٹہ، عشار کے بعد فاروق اعظم آرگنائزنگ کمیٹی، ایک گھنٹہ اور تیسرا پروگرام مسرور صاحب کی خاطر لیاقت آباد۔

کورنگی سے ناشتہ کے بعد سوا دس بجے کیپٹن صاحب کے بنگلہ پر واپسی ہوئی اور پھر اچانک وہاں سے طاسین صاحب کے پاس جانے کا پروگرام بن گیا۔ مولانا کے دفتر پہنچے اور ان سے ملاقات ہوئی۔ دوران گفتگو امیر محترم نے نظام بیعت کا تذکرہ چھیڑ دیا اور مولانا کی ذاتی محققانہ رائے معلوم کرنے کے لئے انہیں اس پر توجہ دینے کی ضرورت کا اظہار کیا اس مختصر سی ملاقات کے دوران معاشی مسائل پر گفتگو ہوئی مگر وقت کی کمی کے باعث یہ گفتگو زیادہ دیر جاری نہ رہ سکی۔ چونکہ امیر محترم کو ۱۱½ بجے ڈاؤ میڈیکل کالج میں درس قرآن دینے کے لئے جانا تھا۔ مولانا طاسین صاحب سے رخصت ہو کر ہم راستے میں عبدالواحد عاصم اور سید فصاحت اللہ حسینی صاحب کو ساتھ لے کر ۱۱½ بجے ڈاؤ میڈیکل کالج پہنچے۔

ڈاؤ میڈیکل کالج میں اس درس قرآن حکیم کا اہتمام بنیادی طور پر ہمارے تنظیمی رفقاء نے چند دوسرے دینی جذبہ کے حامل فعّال احباب کے تعاون سے کیا تھا۔ عبدالمطلب (جو ڈی ایم سی کے طالب علم ہیں اور نومبر کی سالانہ مرکزی تربیت گاہ میں جزوی طور پر شریک ہوئے تھے) نمایاں تھے۔

"الھدیٰ" کے نام سے ڈی ایم سی میں یہ پروگرام متعارف کرایا گیا تھا، اندرون کالج اس کے لئے بینرز سجائے گئے اور الھدیٰ کے عنوان سے زیر درس آنے والی سورہ حج کی آخری دو آیات نہایت خوبصورت اور دیدہ زیب انداز سے ایک کارڈ پر طبع شدہ حالت میں تقسیم کی گئیں۔

آرائگ آڈیٹوریم میں تقریباً بارہ بجے امیر محترم نے سورۂ حج کی آخری دو آیات کا درس قرآن ایک گھنٹہ بھر" ہماری دینی ذمہ داریاں "کے عنوان سے دیا آخر میں چند سوالوں کے جوابات دیئے مگر اس دوران ظہر کی نماز کا وقت ہوگیا اور اختتام پر سامعین کی رائے طلب کی گئی کہ اگر وہ چاہیں تو سوال وجواب کی نشست بعد نماز جاری رکھی جائے ورنہ ۲۵ دسمبر کو دفتر تنظیم اسلامی میں تین گھنٹے کی طویل سوال وجواب کی خصوصی نشست کا انتظام کیا گیا ہے اس میں شریک ہوکر یہ مقصد پورا کیا جاسکتا ہے اور بالآخر یہی طے پایا کہ ۲۵ دسمبر والی نشست مناسب رہے گی۔ حاضری کے اعتبار سے آرائگ آڈیٹوریم کی جملہ نشستیں بھر چکیں تو اطراف وجوانب طلباء کھڑے ہوتے گئے سامعین میں کچھ پروفیسر صاحبان بھی موجود تھے، طلباء نے پورے وقت تک عمدہ نظم وضبط کا مظاہرہ کیا۔ طالبات کی سماعت کے لئے علیحدہ قریبی ہال میں انتظام کیا گیا۔

اس روز ۵ بجے شام امیر محترم، مولانا سید وصی مظہر صاحب ندوی مئیر حیدرآباد سے جو صوبائی کونسل کے حکومتی اجلاس میں شرکت کی غرض سے کے ایم سی ریسٹ ہاؤس میں مقیم تھے، ملاقات کے لئے تشریف لے گئے، مغرب کی نماز باجماعت ریسٹ ہاؤس میں مولانا ندوی صاحب کی امامت میں ادا ہوئی اور عشاء کی نماز سے قبل جامع مسجد ہادی مارکیٹ میں درس قرآن کے لئے روانگی ہوئی۔ اس موقعہ پر راقم کے علاوہ عبدالواحد عاصم صاحب اور سکھر سے جناب نجیب صدیقی صاحب موجود تھے جنھوں نے ۲۵ دسمبر کو دفتر تنظیم اسلامی میں دیگر مقامی تیرہ افراد سمیت تنظیم میں شمولیت اختیار کی۔ جامع مسجد ہادی مارکیٹ میں حسب پروگرام نماز عشاء آیت ۲۲ تا ۲۹ یعنی سورۂ حدید کا تکمیلی درس قرآن دو گھنٹوں میں تمام ہوا۔ حاضری کے متعلق پہلے ذکر کیا جاچکا ہے۔

۲۳ دسمبر بروز جمعرات ناشتہ میزبان کیپٹن صاحب کے ساتھ تھا تقریباً ساڑھے دس بجے امیر محترم نے سیفی انسٹیٹیوٹ نارتھ ناظم آباد تشریف

لے گئے جہاں موصوف نے ایک گھنٹہ تک جامع خطاب بعنوان "مقصد بعثت نبوی اور صحابہ کرامؓ" (یوم فاروق اعظم کی مناسبت سے خلیفہ ثانی کی سیرت و کردار کا خصوصاً تقابلی تذکرہ) ہوا۔ طلباء و اداره کے اسٹاف کے علاوہ بیرونی مہمان حضرات بھی شریک جلسہ تھے۔ استقبال کے وقت طلباء کا جوش و خروش اور خطاب کے وقت سامعین کا نہایت توجہ اور خاموشی کا منظر دیدنی تھا۔

امیر محترم کے خطاب کے اختتام پر انسٹیٹیوٹ کے پرنسپل صاحب نے کلماتِ تشکر ادا کئے اور دروسِ قرآنی و خطابات کے حوالے سے اپنی پرانی وابستگی کا اظہار کیا۔ اختتام محفل پر اکل و شرب کا انتظام تھا۔ ہم نے برائے نام شرکت کی چونکہ دوپہر کے کھانے کی اصل دعوت ڈاکٹر عبداللطیف صاحب کے یہاں تھی۔ جہاں پہنچ کر کھانے سے قبل نماز ظہر امیر محترم کی امامت میں ادا کی (بہ سبب سفر امیر محترم نے قصر کی) کھانے سے فارغ ہو کر بھائی جمیل الرحمٰن صاحب کے فلیٹ پر پہنچے جہاں امیر محترم مغرب کی نماز تک رہے۔ بعدہٗ حسب معمول بعد نماز عشاء ہادی مارکیٹ کی جامع مسجد میں سورۂ صف کا دو گھنٹوں تک درسِ قرآن دیا۔ درسِ قرآن کی یہ آخری نشست تھی جس میں پانچ روزہ سورۂ حدید و صف کا درسِ قرآن بعنوان "خطاب بہ امت مسلمہ" مکمل ہوا۔ آخر میں ۲۵ دسمبر کو سوال و جواب کی خصوصی نشست میں شرکت کی دعوت دی گئی اور مزید براں امیر محترم کے بقیہ خطابات کے اعلانات اور مطبوعہ پروگرام تقسیم کئے گئے۔ حلقہ کراچی میں منعقدہ دروس قرآن، سیرت النبیؐ اور فقہی پروگرام کے عمومی و خصوصی اجتماعات میں شرکت کی دعوت بصورت اعلان اور باقاعدہ مطبوعہ شکل میں اشتہار تقسیم کئے گئے جن میں امیر محترم کی کتب اور کیسٹ وغیرہ کا حوالہ بھی دیا گیا تھا۔ اختتام دروس قرآن پر ٹاؤن ہال لاہور کے طرز پر تعارفی فارم، تبصرے، مشورے اور تعاون کی غرض سے تقسیم کئے گئے۔ جن کا خاطر خواہ نتیجہ سامنے آیا اور انجام کار ۲۵ دسمبر کو سوال و جواب کی نشست کے بعد ۱۰ افراد نے امیر محترم کے ہاتھ پر بیعت کر کے تنظیمی رفاقت اختیار کی۔

۲۴ دسمبر بروز جمعۃ المبارک امیر محترم نے اس روز صبح کی نماز کے بعد جامع مسجد ابوبکر صدیق میں سورۂ حج کی آخری دو آیات کا بعنوان "ہماری دینی ذمہ داریاں" درس قرآن دیا اور بعد میں ۱۵ منٹ تک شرکاء کے سوالات

کے جوابات دیئے۔ مجوزہ پروگرام میں یہ درس قرآن شامل نہیں تھا مگر اولاً بحیثیت مہمان اور مسجد کے قریب پڑوس میں سکونت سے عائد شدہ حق کی ادائیگی، ثانیاً جامع مسجد ابوبکر صدیق کے امام صاحب اور مقتدی حضرات کی درخواست، اصرار اور حد درجہ اشتیاق، اور ثالثاً ذاتی اور فطری حد درجہ احساسِ مروت کے پیشِ نظر اس نشست قرآنی کا انعقاد عمل میں آیا۔ دورانِ درس، ہمارے لحاظ سے حاضری کم تھی۔ اندازاً ۶۰ افراد شریک تھے تاہم اُن کے اعتبار سے یہ حاضری "خاصی اچھی" تھی۔ چونکہ اکثر افراد کو خصوصی اطلاع دی گئی تھی۔ اور تمام شرکاء کا تعلق اعلیٰ تعلیم یافتہ طبقے سے تھا۔ اس روز امیر محترم کا ناشتہ ڈاکٹر نور الٰہی صاحب، مؤسس ممبر انجمن خدام القرآن اور صدر الخدمت کراچی کے یہاں تھا، درسِ قرآن کے بعد موصوف ڈاکٹر نور الٰہی صاحب کے مکان پر تشریف لے گئے۔ اتفاق سے موصوف میزبان کے دو چھوٹے بھائی صاحبان جو انگلینڈ میں مقیم اور وہیں چارٹرڈ اکاؤنٹنٹ ہیں، آجکل پاکستان کراچی میں اپنے بڑے بھائی ڈاکٹر نور الٰہی صاحب کے پاس ٹھہرے ہوئے تھے، ان کی امیر محترم سے اسلام کے معاشی نظام پر گفتگو ہوئی۔ انہیں خالقدینا ہال میں منعقدہ چار روزہ خطابات میں شرکت کی دعوت دی گئی۔ جن کا عنوان بالترتیب نبی اکرمؐ کا لایا ہوا سماجی، معاشی، سیاسی اور انقلابی نظام تھا اور جو کل پاکستان سنّی کونسل کے زیرِ اہتمام منعقد ہونے تھے۔ چنانچہ ان میں ڈاکٹر نور الٰہی صاحب سمیت دونوں مہمان بھائی باقاعدہ شریک ہوتے رہے۔

چونکہ ۲۴ دسمبر ۸۲ء کو جمعۃ المبارک تھا اور ویسے بھی سورۂ حدید وصف کے پانچ روزہ درس قرآن کی تکمیل گزشتہ رات ہوئی تھی۔ اس لئے "خطاب بہ امت مسلمہ" کے بعد اب "ہمارے دینی فرائض" کے عنوان سے اجتماع جمعہ کا خطاب بھی جامع مسجد ہادی مارکیٹ میں ہوا۔ حاضری خوب تھی، مسجد کا اندرونی و بیرونی احاطہ بالکل کھچا کھچ بھر چکا تو بیرون مسجد، روڈ پر صفوں کا انتظام کرنا پڑا۔ انتہائی محتاط اندازے کے مطابق حاضری پانچ ہزار سے بھی متجاوز تھی، خواتین اس کے علاوہ ۱۵۰ سے بھی متجاوز تھیں

کراچی میں کئے گئے مختلف مقامات پر خطابات و تقریریں جن کا موضوع اکثر مقامات پر یہی تھا کہ نبی اکرمؐ کے امتی کی حیثیت سے حضورؐ کے ہر امتی کی دینی ذمہ داریاں کیا ہیں۔ مگر ہر جگہ اسلوبِ بیان میں جدت اور مواد میں اضافہ و توسیع تو غالب ہی رہی مگر خطاب

جمعہ میں اختصار کے باوجود جامعیت اور نیا اسلوب کچھ زیادہ ہی انوکھا، پُراثر اور دل نشین تھا۔ تنظیمی دعوت کے اعتبار سے یہ خطاب انتہائی موزوں ثابت ہوگا۔ اس لئے اس کو جلد "میثاق" میں شائع ہونا چاہیئے۔

جمعہ ۲۴ دسمبر رات کو بعد نماز مغرب وعشاء کوئی پروگرام نہیں تھا۔ اس لئے امیرِ محترم نے بعد نماز مغرب تا ۹½ بجے شب پورا وقت کیپٹن کریم صاحب کے ساتھ حسبِ وعدہ گذارا جو امیرِ محترم کے یہاں قیام کی اصل غرض وغایت تھی (جاری ہے)

يَا أَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا اتَّقُوا اللَّهَ
حَقَّ تُقَاتِهِ وَلَا تَمُوتُنَّ
إِلَّا وَأَنْتُمْ مُسْلِمُونَ ۝ وَاعْتَصِمُوا
بِحَبْلِ اللَّهِ جَمِيعًا وَلَا تَفَرَّقُوا

O ye who believe! Fear God as He should be feared, and die not except in a state of Islam. And hold fast, all together, by the Rope which God stretches out for you, and be not divided among yourselves.

PREMIER TOBACCO INDUSTRIES LIMITED

(بقیہ "عرض احوال")

میں ڈاکٹر صاحب کی رائے کی تائید اور اختلاف میں بہت سے حضرات کی آرا اور تبصرے ایک فیچر کی شکل میں شامل اور اشاعت پذیر ہوئے ہیں — کرکٹ کے انگریز لارڈز کے پسندیدہ کھیل ہونے کا ایک ثبوت یہ بھی ہے کہ انگلینڈ کے دارالحکومت میں کرکٹ کے اسٹیڈیم کا (جو اغلباً وہاں کا سب سے بڑا اسٹیڈیم ہے) نام ہی "لارڈز" ہے۔ پھر دوسرا ثبوت یہ ہے کہ یہ کھیل عموماً انہی ممالک میں کھیلا جاتا ہے جو ماضی میں انگریزی استعمار کے زیر نگیں رہے تھے یا اب کامن ویلتھ میں شامل ہیں — خدا کرے کہ ہمارے ارباب اقتدار اس مسئلہ پر سنجیدگی سے غور کر کے سرکاری سطح پر اس کھیل کو بند کرنے کا فیصلہ کریں تاکہ قومی سطح پر وقت اور سرمایہ کے ضیاع کا سدِباب ہو سکے۔

دوسرا ستم بالائے ستم یہ ہے کہ ثقافت کے نام پر مختلف ممالک کے ساتھ رقاصوں اور موسیقاروں کے طائفوں کا تبادلہ جاری ہے جس کے ضمن میں ان ہی دنوں ایک روسی طائفہ پاکستان آیا ہوا ہے جو رقص و سرود اور موسیقی کے نام نہاد فن کا ملک کے بڑے بڑے شہروں میں مظاہرہ کر چکا ہے — جس میں ملک کی بڑی سربرآوردہ شخصیتیں حتیٰ کہ محترم صدر مملکت اور ان کے رفقاء کار بھی بڑے ذوق وشوق سے شرکت فرماتے رہے ہیں — یہ سب کچھ اس عالم میں ہو رہا ہے جبکہ ایک طرف سرخ سام راج ہمارے پڑوسی مسلم ملک افغانستان میں ہمارے مسلمان بہن بھائیوں کا تین سال سے بھی زیادہ عرصہ سے بے دریغ خون بہا رہا ہے اور پورے ملک کو اپنے استعماری شکم میں اتارنے کا درپے ہے — دوسری طرف سفید سام راج نے یہودیوں کو شام، لبنان کے باشندوں اور فلسطینی تارکین وطن کے خون سے ہولی کھیلنے کی کھلی چھوٹ دے رکھی ہے اور اسکی پشت پناہی میں اسرائیل لبنان میں چنگیز اور ہلاکو کے نقش قدم کی پیروی کرتے ہوئے، بچوں، بوڑھوں عورتوں اور نہتے مردوں کو نہایت بہیمانہ طریق پر گاجر مولی کی طرح کاٹ رہا ہے۔ ہم ہر سال بڑی شان و شوکت سے یوم اقبال مناتے ہیں لیکن ان کے پیغام اور ان کی تعلیمات پر مطلق توجہ نہیں دیتے یہ علامہ مرحوم ہی ہیں، جنہوں نے کہا

تھا: ؎ میں تجھ کو بتاتا ہوں تقدیرِ اُمم کیا ہے!
شمشیر و سناں اوّل طاؤس و رُباب آخر

اللہ ہی بہتر جانتا ہے کہ یہ سب کچھ "کھلونے دے کر بہلایا گیا ہوں" کا معاملہ ہے یا بقول علامہ اقبال مرحوم یہ سب کچھ "حکمراں کی ساحری" ہے کہ لوگ ان تفریحات میں اس طرح گم ہو جائیں کہ ہمارا ملک اور عالم اسلام اس وقت جن مشکلات و مصائب سے دوچار ہے، اس طرف لوگوں کا دھیان نہ جائے۔

اس ضمن میں ہم اپنی معروضات کو اللہ تعالیٰ کے اس ارشاد پر ختم کرتے ہیں کہ:

فَاعْتَبِرُوْا يٰٓاُولِي الْاَبْصَارِ

محترم ڈاکٹر اسرار احمد صاحب کی دعوتی و تبلیغی سرگرمیوں کی ایک اجمالی روداد تقریباً ہر ماہ ہی پیش کرنے کی کوشش کی جاتی ہے۔ اب حال یہ ہو گیا ہے کہ ہر ماہ مجموعی طور پر ایک عشرے کے لگ بھگ وہ بھی مسلسل نہیں، موصوف کا قیام لاہور میں ہوتا ہے۔ ان ایام میں بھی لاہور میں دعوتی و تدریسی مصروفیات جاری رہتی ہیں۔ ڈاکٹر صاحب نے مرکزی انجمن کی راولپنڈی/اسلام آباد کی شاخ کو ہر ماہ کی پہلی پیر کا دن درسِ قرآن کے لئے دیا ہوا ہے۔ چنانچہ وہاں کمیونٹی سنٹر اسلام آباد میں مہینے کی ہر پہلی پیر کو بعد مغرب درسِ قرآن حکیم ہوتا ہے۔ اس کے دوسرے دن بھی عموماً ڈاکٹر صاحب موصوف وہیں مختلف مساجد اور اداروں کی فرمائش پر درس اور خطاب کیا کرتے ہیں۔ دسمبر ۸۲ء کے دورے کے ساتھ جناب محمود الحسن صاحب توحیدی ناظم و مہتمم نظام العلماء و مدرسہ جامع توحید کی دعوت پر اٹک کا دورہ بھی رکھ لیا گیا تھا چنانچہ پنڈی سے فارغ ہو کر ڈاکٹر صاحب اٹک تشریف لے گئے، جہاں موصوف نے درسِ قرآن دیا اور سیرت النبیؐ کے موضوع پر خطاب فرمایا۔ جنوری کے اوائل کے دورے میں کمیونٹی سنٹر اور چند دوسرے دروس و خطابات کے بعد ڈاکٹر صاحب پشاور صدر کے پینٹ کے تاجر جناب حاجی عبدالرشید صاحب کی دعوت پر پشاور تشریف لے گئے۔ جہاں پہلے دن بعد نماز عشاء پشاور کی سب سے بڑی اور قدیم مسجد مہابت خاں میں سیرت النبیؐ کے موضوع پر خطاب کیا۔ مسجد کا وسیع و عریض ہال حاضرین سے پوری طرح بھرا

ہوا تھا۔ لوگ دُور دُور سے اس تقریر کو سننے کے لئے آئے ہوئے تھے۔ مسجد کے امام وخطیب جناب مولانا محمد یوسف صاحب نے اِس پروگرام کے انعقاد کے سلسلے میں بھرپور تعاون فرمایا۔ اگلے روز صبح دس بجے جامعہ اشرفیہ پشاور میں محترم ڈاکٹر صاحب نے علماء پشاور سے ہماری "دینی ذمہ داریاں" کے موضوع پر خطاب کیا۔ اس پروگرام کا اہتمام بھی جامعہ اشرفیہ کے مہتمم جناب مولانا محمد یوسف صاحب اور مولانا محمد اشرف صاحب نے کیا تھا۔ تقریر کے اختتام پر محترم ڈاکٹر صاحب نے علماء کے سوالات کے جوابات دیئے۔ اسی دن دوپہر ساڑھے بارہ بجے ڈاکٹر صاحب نے پشاور یونیورسٹی میں یونیورسل ویلفیئر سوسائٹی کے زیر اہتمام طلباء کے ایک بڑے اجتماع سے خطاب کیا۔ اور سوالات کے جوابات دیئے۔ ان تمام پروگراموں میں مکتبہ بھی لگایا گیا جس میں ڈاکٹر صاحب کے دروس وخطابات پر مشتمل کیسٹ بھی رکھے گئے۔

دسمبر ۸۲ء کا آخری عشرہ ڈاکٹر صاحب نے کراچی میں گزارا تھا۔ جہاں دروس قرآن اور خطاباتِ عام کے متعدد پروگرام ہوئے۔ اس دورے کی رپورٹ تنظیم اسلامی کراچی کے رفیق حافظ محمد رفیق صاحب نے مرتب کر کے بھیج دی تھی جو اسی شمارے میں شامل ہے۔ واپسی پر ۲۹ دسمبر کو کراچی سے ڈاکٹر صاحب بذریعہ ہوائی جہاز ملتان آئے تھے اور وہاں سے بذریعہ کار شجاع آباد تشریف لے گئے تھے جہاں ایک عظیم الشان جلسۂ عام میں سیرت مطہرہ کے موضوع پر ایک مبسوط خطاب ہوا تھا۔ ۳۰ دسمبر کو لاہور مراجعت ہوئی آتے ہی رات کو مسجد شانِ اسلام گلبرگ میں ایک بہت بڑے اجتماع کو خطاب کیا اور ۳۱ دسمبر جمعہ سے لاہور کی دعوتی سرگرمیاں شروع ہوگئیں۔ پھر ۵ جنوری سے ۸ جنوری تک اسلام آباد/راولپنڈی اور پشاور کے دورے ہوئے جن کا ذکر کیا جا چکا ہے — پشاور سے واپسی پر ڈاکٹر صاحب دوسری مرتبہ ملتان تشریف لے گئے پہلی مرتبہ بلدیہ ملتان کی دعوت پر بلدیہ ہال میں سیرت النبیؐ کے موضوع پر خطاب کیا۔ دوسری بار ملتان ۱۲ جنوری یونیورسٹی کی اسٹوڈنٹس یونین کی دعوت پر تشریف لے گئے لیکن یونیورسٹی کے ارباب اختیار کے نمائندوں نے ہوائی اڈے پر آکر ڈاکٹر صاحب سے معذرت کر لی کہ بعض مجبوریوں کی وجہ سے انہیں تقریر کا موقع دینا ان کے لئے ممکن نہیں ہے۔

یہ وجوہات تاحال واضح طور پر سامنے نہیں آئیں بہرحال اس روز بعد عشاء ڈاکٹر صاحب نے مسجد جامعہ تعلیم الابرار میں ایک بڑے اجتماع میں سیرتِ محمدیؐ کا انقلابی پہلو کے موضوع پر خطاب کیا۔ ملتان سے واپسی کے بعد ۱۴ جنوری کو حسبِ دستور اجتماع جمعہ کا خطاب ہوا اور اسی شب کو برکت علی اسلامیہ ہال لاہور کا اجتماع تنظیم اسلامی کے زیر اہتمام منعقد ہوا جس میں سیرت پر ہی تقریر ہوئی۔ ۱۵ اور ۱۶ دو دن تنظیم اسلامی کی مجلس مشاورت کے سہ ماہی اجلاس کے سلسلے میں مصروفیت رہی۔ اس کے بعد جنوری کے آخری پندرھواڑے کے لئے ڈاکٹر صاحب کا یہ پروگرام طے ہو چکا ہے کہ موصوف ۱۷ جنوری کو لالہ موسیٰ، ۲۳ کو سرگودھا، ۲۴ کو میانوالی اور پھر ۲۶ تا ۲۹ جنوری کے لئے برائے دروس و خطابات کراچی تشریف لے جائیں گے۔ ان دوروں کی اجمالی روداد ان شاء اللہ آئندہ پیش ہوگی۔

حلقہ ماہنامہ میثاق رفقاء تنظیم اسلامی اور وابستگان مرکزی انجمن خدام القرآن کے لئے یقیناً یہ اطلاع باعثِ مسرت ہوگی کہ قرآن اکیڈمی کی "رفاقت سکیم" کے تحت جن نوجوانوں نے اللہ تعالیٰ کے فضل و کرم اور توفیق و تائید سے اپنی زندگیوں کو اللہ کے دین متین اور اس کی کتاب حکیم کی خدمت کے لئے وقف کیا ہے، اُن میں ایک ایم۔ بی۔ بی۔ ایس اور ایک بی۔ ڈی۔ ایس ڈاکٹر بھی شامل ہیں۔ چنانچہ مرکزی انجمن نے اس کے تحت کہ خلقِ خدا کو ان کی اس دینی و ملی خدمت کے ساتھ ساتھ ان کی فنی تعلیم و تربیت سے بھی فائدہ پہنچے۔ اپنے زیر اہتمام قرآن اکیڈمی ہی کی عمارت میں دو سستے کلینک کھول دیئے ہیں، جن میں سے ایک امراضِ عامّہ کے معالجے کے لئے ہے جس کے انچارج ڈاکٹر عارف رشید، ایم۔ بی۔ بی۔ ایس ہیں اور دوسرا دانتوں کے امراض کے لئے ہے جس کے انچارج ڈاکٹر عبدالسمیع بی۔ ڈی۔ ایس ہیں۔

الحمدللہ دونوں کلینکوں نے اتوار ۲ جنوری ۱۹۸۳ء مطابق ۱۶ ربیع الاوّل ۱۴۰۳ھ سے کام شروع کر دیا ہے، کلینک کے اوقات کار نمازِ عصر سے نمازِ عشاء تک رکھے گئے ہیں۔ اور ان میں بفضلہٖ تعالیٰ لوگوں کو سستے اور مناسب علاج فراہم کرنے کا بندوبست کیا گیا ہے۔

ماہنامہ حکمت قرآن لاہور
کا اگست ۱۹۸۲ء کا شمارہ

دعوت رجوع الی القرآن
کا منظر و پس منظر

کے موضوع پر
ڈاکٹر اسرار احمد
کے چار مضامین پر مشتمل ہے

اور اپنے موضوع پر
ایک تاریخی دستاویز کی حیثیت رکھتا ہے
دفتر میں محدود تعداد میں موجود ہے
قیمت فی پرچہ/۴ روپے (محصول ڈاک علاوہ)
یکے از مطبوعات
مرکزی انجمن خدام القرآن لاہور

۳۶ - کے، ماڈل ٹاؤن - لاہور

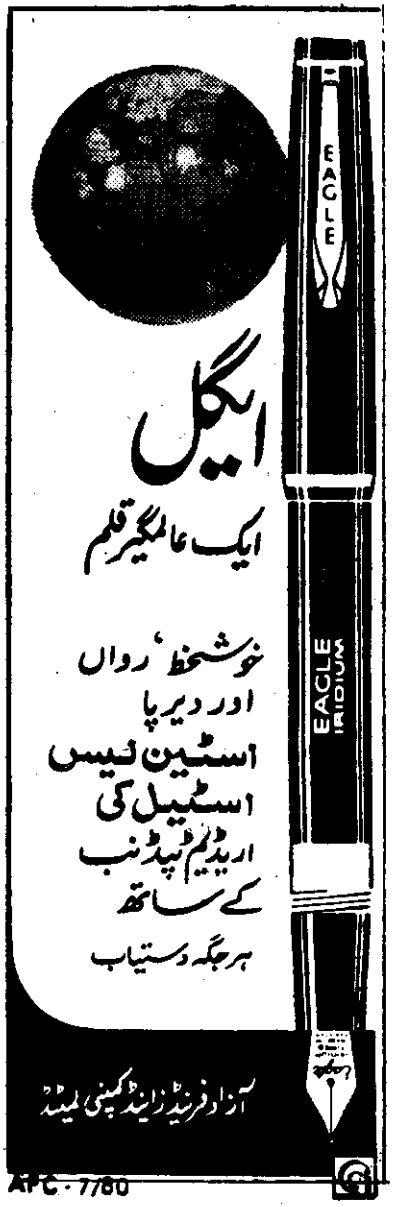

خَيْرُكُمْ مَنْ تَعَلَّمَ الْقُرْآنَ وَعَلَّمَهُ

(صحیح بخاری)

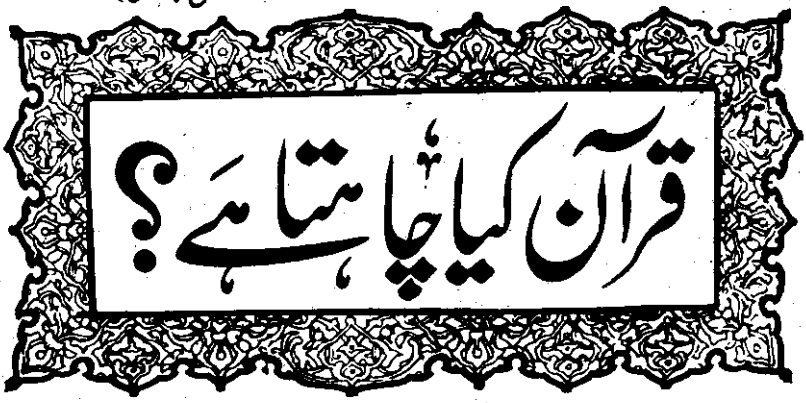

یہ کہ

- اس پر ایمان لایا جائے
- اسے پڑھا جائے
- اسے سمجھا جائے
- اس پر عمل کیا جائے

اور

- اسے دوسروں تک پہنچایا جائے

منجانب

Rizwan Textile Industries

MANUFACTURERS, IMPORTERS & EXPORTERS

RAILWAY ROAD, KASUR - PAKISTAN

Phones : Office : 484
Mills : 490, 936
Lahore : 853395, 853542

CABLE : RIZWANTENT
Bankers : HABIB BANK LTD

یہ امر مسلّم ہے کہ

کوئی دینی جریدہ اصحابِ ثروت کے تعاون کے بغیر نہیں چل سکتا

کاروباری اور صنعت کار حضرات کے

کے ساتھ تعاون کی ایک صورت یہ بھی ہے کہ

اس میں **اشتہار** شائع کرائیں

نرخنامہ اشتہارات

سرورق:

آخری صفحہ	=/۱۵۰۰/ روپے فی اشاعت
دوسرا صفحہ (اندرونی)	=/۱۲۰۰/ روپے " "
تیسرا صفحہ (اندرونی)	=/۱۰۰۰/ روپے " "

اندرونی عام صفحات

پورا صفحہ	"/۸۰۰ روپے " "
نصف صفحہ	"/۵۰۰ روپے " "

نوٹ

۱ اشتہار میں نہ کوئی تصویر چھپے گی نہ دینی اعتبار سے کوئی قابل اعتراض مواد!
۲ 'میثاق' کے پورے صفحے کا سائز ۷" × ۴" ہے!
۳ کسی خاص ڈیزائن کے لئے پوزیٹو فلم مشتہر حضرات کو خود فراہم کرنی ہوگی،
۴ رنگین اشتہارات میں رنگ کے لئے ۵۰ فی صد مزید معاوضہ ہوگا۔
۵ منظور شدہ ایڈورٹائزنگ ایجنسیوں کو ۱۵ فی صد کمیشن دیا جائے گا،
۶ خاص حالات میں مشتہر حضرات کو بھی رعائت دی جا سکتی ہے،

پنجاب بیوریجز کمپنی لمیٹڈ۔ فیصل آباد۔ فون: ۲۶۰۳۱
۲۳۰۹۳۱

آپ کو پریسٹریسڈ کنکریٹ کے معیاری

گارڈر، بلے اور سلیب وغیرہ

درکار ہوں تو وہاں تشریف لے جائیے جہاں

اظہار لمیٹڈ کی تیار چھتیں

کا بورڈ نظر آئے

صدر دفتر : ۶ - کوثر روڈ - اسلام پورہ (کرشن نگر) لاہور

فون:- ۶۹۵۲۲ ۶۱۵۱۴

پچیسواں کیلومیٹر - لاہور شیخوپورہ روڈ

جی-ٹی روڈ کٹھالہ (نزد ریلوے پھاٹک) گجرات

انڈس ہائی وے - مختار آباد - نزد راجن پور (ڈیرہ غازیخان ڈویژن)

فیروز پور روڈ - نزد جامعہ اشرفیہ - لاہور - فون:- ۴۱۳۵۶۹

شیخوپورہ روڈ - نزد نیشنل ہوزری فیصل آباد - فون:- ۵۰۶۲۶

جی-ٹی روڈ - مریدکے

جی-ٹی روڈ - سرائے عالمگیر

جی-ٹی روڈ - سواں کیمپ - راولپنڈی - فون:- ۶۸۱۲۷

جاری کردہ: مختار سنز گروپ آف کمپنیز

THE ORIGINAL
Coca-Cola
Have a Coke and a smile.
"COCA-COLA" AND "COKE" ARE THE REGISTERED TRADE-MARKS WHICH IDENTIFY THE SAME PRODUCT OF THE COCA-COLA COMPANY.

ملکی صنعت قوم کی خدمت ہے
قومی خدمت ایک عبادت ہے

سروس انڈسٹریز

اپنی صنعتی پیداوار کے ذریعے سال ہا سال سے
اِس خدمت میں مصروف ہے

قدم قدم حسین قدم قدم آرام

Regd. L. No. 7360

MONTHLY "MEESAQ" LAHORE

Vol. 32 FEBRUARY 1983 No. 1

قدرتی گیس کا ضیاع روکیئے

ہمارے توانائی کے وسائل محدود ہیں۔ ہم توانائی کے ضیاع کے متحمل نہیں ہو سکتے

گیس بچا کر
قومی معیشت کو
مستحکم بنائیے

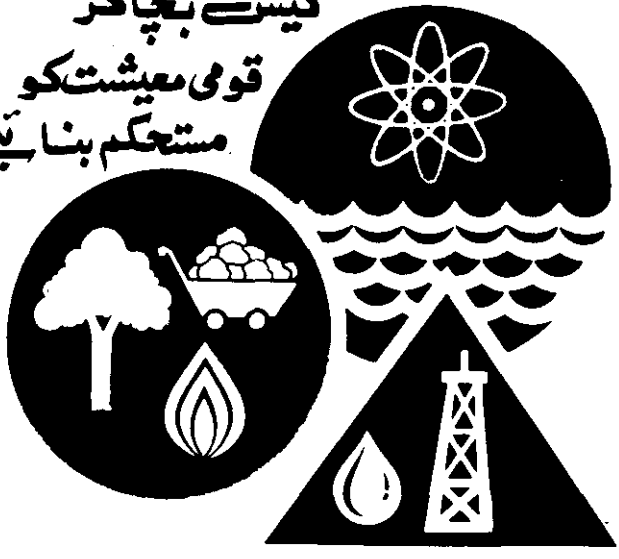

ہمارے ملک میں توانائی کے وسائل کی کمی ہے۔ توانائی کی ضروریات کثیر زرمبادلہ صرف کر کے پوری کی جاتی ہیں۔ ہماری صنعت، تجارت، زراعت کے شعبوں میں توانائی کی مانگ روز بروز بڑھتی جا رہی ہے۔ آپ کی بچائی ہوئی توانائی ان اہم شعبوں کے فرمغ میں کام آئے گی۔

قدرتی گیس بہت زیادہ قیمتی ہے، اسے ضائع نہ کیجئے

سوئی ناردرن گیس پائپ لائنز لمیٹڈ

SUI NORTHERN

SNGPL 4/60

paragon